نصاب تعلیم القرآن برائے سال 2019

مجلس انصار اللہ، یوکے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میں قرآن شریف کے حقائق معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔" (ضرورت الامام۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 496)

تفسیر سورہ فاتحہ بیان فرمودہ حضرت مسیح موعودؑ (منتخب حصہ جات)

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ وحی اللہ کے نزول کا اصل موجب خدائے تعالیٰ کی رحمانیت ہے کسی عامل کا عمل نہیں اور یہ ایک بزرگ صداقت ہے جس سے ہمارے مخالف برہمو وغیرہ بے خبر ہیں۔

پھر بعد اس کے سمجھنا چاہئے کہ کسی فرد انسانی کا کلام الٰہی کے فیض سے فی الحقیقت مستفیض ہو جانا اور اس کی برکات اور انوار سے متمتع ہو کر منزل مقصود تک پہنچنا اور اپنی سعی اور کوشش کے ثمرہ کو حاصل کرنا یہ صفتِ رحیمیت کی تائید سے وقوع میں آتا ہے۔ اور اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے بعد ذکر صفتِ رحمانیت کے صفتِ رحیمیت کو بیان فرمایا تا معلوم ہو کہ کلامِ الٰہی کی تاثیریں جو نفوسِ انسانیہ میں ہوتی ہیں یہ صفتِ رحیمیت کا اثر ہے۔ جس قدر کوئی اعراض صوری و معنوی سے پاک ہو جاتا ہے۔ جس قدر کسی کے دل میں خلوص اور صدق پیدا ہوتا ہے جس قدر کوئی جدوجہد سے متابعت اختیار کرتا ہے۔ اسی قدر کلام الٰہی کی تاثیر اس کے دل پر ہوتی ہے اور اسی قدر وہ اس کے انوار سے متمتع ہوتا ہے اور علاماتِ خاصہ مقبولانِ الٰہی کی اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

دوسری صداقت کہ جو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں مودّع ہے یہ ہے کہ یہ آیت قرآن شریف کے شروع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور اس کے پڑھنے سے مدّعا یہ ہے کہ تا اس ذات مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ سے مدد طلب کی جائے جس کی صفتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رحمان ہے اور طالبِ حق کے لئے محض تفضّل اور احسان سے اسباب خیر اور برکت اور رُشد کے پیدا کر دیتا ہے اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ رحیم ہے یعنی سعی اور کوشش کرنے والوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کے جدوجہد پر ثمراتِ حسنہ مترتب کرتا ہے اور ان کی محنت کا پھل ان کو عطا فرماتا ہے اور یہ دونوں صفتیں یعنی رحمانیت اور رحیمیت ایسی ہیں کہ بغیر ان کے کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا انجام کو پہنچ نہیں سکتا اور اگر غور کر کے دیکھو تو ظاہر ہوگا کہ دنیا کی تمام مہمات کے انجام دینے کے لئے یہ دونوں صفتیں ہر وقت اور ہر لحظہ کام میں لگی ہوئی ہیں۔ خدا کی رحمانیت اس وقت سے ظاہر ہو رہی ہے کہ جب انسان ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ سو وہ رحمانیت انسان کے لئے ایسے ایسے اسباب بہم پہنچاتی ہے کہ جو اس کی طاقت سے باہر ہیں اور جن کو وہ کسی حیلہ یا تدبیر سے ہرگز حاصل نہیں کر سکتا اور وہ اسباب کسی عمل کی پاداش میں نہیں دیئے جاتے بلکہ تفضّل اور احسان کی راہ سے عطا ہوتے ہیں جیسے نبیوں کا آنا، کتابوں کا نازل ہونا، بارشوں کا ہونا، سورج اور چاند اور ہوا اور بادل وغیرہ کا اپنے اپنے کاموں میں لگے رہنا اور خود انسان کا طرح طرح کی قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ مشرف ہو کر اس دنیا میں آنا اور

تندرستی اور امن اور فرصت اور ایک کافی مدت تک عمر پانا یہ وہ سب امور ہیں کہ جو صفتِ رحمانیت کے تقاضا سے ظہور میں آتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی رحیمیت تب ظہور کرتی ہے کہ جب انسان سب توفیقوں کو پا کر خداداد قوتوں کو کسی فعل کے انجام کے لئے حرکت دیتا ہے۔ اور جہاں تک اپنا زور اور طاقت اور قوت ہے خرچ کرتا ہے تو اس وقت عادتِ الٰہیہ اس طرح پر جاری ہے کہ وہ اس کی کوششوں کو ضائع ہونے نہیں دیتا بلکہ ان کوششوں پر ثمراتِ حسنہ مترتب کرتا ہے۔ پس یہ اس کی سراسر رحیمیت ہے کہ جو انسان کی مُردہ محنتوں میں جان ڈالتی ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ آیتِ ممدوحہ کی تعلیم سے مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف کے شروع کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی ذات جامع صفاتِ کاملہ کی رحمانیت اور رحیمیت سے استمداد اور برکت طلب کی جائے۔ صفتِ رحمانیت سے برکت طلب کرنا اس غرض سے ہے کہ تا وہ ذاتِ کامل اپنی رحمانیت کی وجہ سے اس سب اسباب کو محض لُطف اور احسان سے میسر کردے کہ جو کلام الٰہی کی متابعت میں جدوجہد کرنے سے پہلے درکار ہیں جیسے عمر کا وفا کرنا، فرصت اور فراغت کا حاصل ہونا، وقتِ صفا میسر آ جانا، طاقتوں اور قوتوں کا قائم ہونا، کوئی ایسا امر پیش نہ آ جانا کہ جو آسائش اور امن میں خلل ڈالے، کوئی ایسا مانع نہ آ پڑنا کہ جو دل کو متوجہ ہونے سے روک دے۔ غرض ہر طرح سے توفیق عطا کئے جانا یہ سب امور صفتِ رحمانیت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور صفتِ رحیمیت سے برکت طلب کرنا اس غرض سے ہے کہ تا وہ ذات کامل اپنی رحیمیت کی وجہ سے انسان کی کوششوں پر ثمراتِ حسنہ مترتب کرے اور انسان کی محنتوں کو ضائع ہونے سے بچاوے اور اس کی سعی اور جدوجہد کے بعد اس کے کام میں برکت ڈالے۔ پس اس طور پر خدائے تعالیٰ کی دونوں صفتوں رحمانیت اور رحیمیت سے کلام الٰہی کے شروع کرنے کے وقت بلکہ ہر یک ذیشان کام کے ابتدا میں تبرک اور استمداد چاہنا یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی صداقت ہے جس سے انسان کو حقیقت توحید کی حاصل ہوتی ہے اور اپنے جہل اور بے خبری اور نادانی اور گمراہی اور عاجزی اور خواری پر یقین کامل ہو کر مبدء فیض کی عظمت اور جلال پر نظر جا ٹھہرتی ہے اور اپنے تئیں بکلّی مفلس اور مسکین اور ہیچ اور ناچیز سمجھ کر خداوند قادر مطلق سے اس کی رحمانیت اور رحیمیت کی برکتیں طلب کرتا ہے۔ اور اگرچہ خدائے تعالیٰ کی یہ صفتیں خود بخود اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں مگر اس حکیم مطلق نے قدیم سے انسان کے لئے یہ قانونِ قدرت مقرر کر دیا ہے کہ اس کی دُعا اور استمداد کو کامیابی میں بہت سا دخل ہے جو لوگ اپنی مہمات میں دلی صدق سے دُعا مانگتے ہیں اور ان کی دُعا پورے پورے اخلاص تک پہنچ

جاتی ہے تو ضرور فیضانِ الٰہی ان کی مشکل کشائی کی طرف توجہ کرتا ہے۔ ہر یک انسان جو اپنی کمزوریوں پر نگاہ کرتا ہے اور اپنے قصوروں کو دیکھتا ہے وہ کسی کام پر آزادی اور خود بینی سے ہاتھ نہیں ڈالتا بلکہ سچی عبودیت اس کو یہ سمجھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کہ جو متصرّف مطلق ہے اس سے مدد طلب کرنی چاہئے یہ سچی عبودیت کا جوش ہر یک ایسے دل میں پایا جاتا ہے کہ جو اپنی فطرتی سادگی پر قائم ہے اور اپنی کمزوری پر اطلاع رکھتا ہے۔ پس صادق آدمی جس کی روح میں کسی قسم کے غرور اور عُجب نے جگہ نہیں پکڑی اور جو اپنے کمزور اور ہیچ اور بے حقیقت وجود پر خوب واقف ہے اور اپنے تئیں کسی کام کے انجام دینے کے لائق نہیں پاتا اور اپنے نفس میں کچھ قوت اور طاقت نہیں دیکھتا جب کسی کام کو شروع کرتا ہے تو بلا تصنّع اس کی کمزور روح آسمانی قوت کی خواستگار ہوتی ہے اور ہر وقت اس کو خدا کی مقتدر ہستی اپنے سارے کمال وجلال کے ساتھ نظر آتی ہے اور اس کی رحمانیت اور رحیمیت ہر یک کام کے انجام کے لئے مدار دکھلائی دیتی ہے۔ پس وہ بلا ساختہ اپنا ناقص اور ناکارہ زور ظاہر کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی دُعا سے امدادِ الٰہی چاہتا ہے پس اس انکسار اور فروتنی کی وجہ سے اس لائق ہو جاتا ہے کہ خدا کی قوت سے قوت اور خدا کی طاقت سے طاقت اور خدا کے علم سے علم پاوے اور اپنی مرادات میں کامیابی حاصل کرے۔ اس بات کے ثبوت کے واسطے کسی منطق یا فلسفہ کے دلائل پُر از تکلّف درکار نہیں ہیں بلکہ ہر یک انسان کی روح میں اس کے سمجھنے کی استعداد موجود ہے اور عارف صادق کے اپنے ذاتی تجارب اس کی صحت پر بہ تواتر شہادت دیتے ہیں۔ بندہ کا خدا سے امداد چاہنا کوئی ایسا امر نہیں ہے جو صرف بیہودہ اور بناوٹ ہو یا جو صرف بے اصل خیالات پر مبنی ہو اور کوئی معقول نتیجہ اس پر مترتب نہ ہو بلکہ خداوند کریم کہ جو فی الحقیقت قیوم عالم ہے اور جس کے سہارے پر سچ مچ اس عالم کی کشتی چل رہی ہے۔ اس کی عادتِ قدیمہ کے رو سے یہ صداقت قدیم سے چلی آتی ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں حقیر اور ذلیل سمجھ کر اپنے کاموں میں اس کا سہارا طلب کرتے ہیں اور اس کے نام سے اپنے کاموں کو شروع کرتے ہیں تو وہ ان کو اپنا سہارا دیتا ہے۔ جب وہ ٹھیک ٹھیک اپنی عاجزی اور عبودیت سے روبخدا ہو جاتے ہیں تو اس کی تائیدیں ان کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ غرض ہر یک شاندار کام کے شروع میں اس مبدء فیوض کے نام سے مدد چاہنا کہ جو رحمان ورحیم ہے ایک نہایت ادب اور عبودیت اور نیستی اور فقر کا طریقہ ہے۔ اور ایسا ضروری طریقہ ہے کہ جس سے توحید فی الاعمال کا پہلا زینہ شروع ہوتا ہے جس کے التزام سے انسان بچوں کی سی عاجزی اختیار کر کے ان نخوتوں سے پاک ہو جاتا ہے کہ جو دنیا کے مغرور دانشمندوں کے دلوں میں بھری

ہوتی ہیں اور پھر اپنی کمزوری اور امدادِ الٰہی پر یقین کامل کر کے اس معرفت سے حصّہ پالیتا ہے کہ جو خاص اہل اللہ کو دی جاتی ہے اور بلاشبہ جس قدر انسان اس طریقہ کو لازم پکڑتا ہے، جس قدر اس پر عمل کرنا اپنا فرض ٹھہرالیتا ہے، جس قدر اس کے چھوڑنے میں اپنی ہلاکت دیکھتا ہے اسی قدر اس کی توحید صاف ہوتی ہے اور اسی قدر عُجب اور خود بینی کی آلائشوں سے پاک ہوتا جاتا ہے اور اسی قدر تکلّف اور بناوٹ کی سیاہی اس کے چہرہ پر سے اُٹھ جاتی ہے اور سادگی اور بھولا پَن کا نور اس کے مونہہ پر چمکنے لگتا ہے۔ پس یہ وہ صداقت ہے کہ جو رفتہ رفتہ انسان کو فنافی اللہ کے مرتبہ تک پہنچاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دیکھتا ہے کہ میرا کچھ بھی اپنا نہیں بلکہ سب کچھ میں خدا سے پاتا ہوں۔ جہاں کہیں یہ طریق کسی نے اختیار کیا وہیں توحید کی خوشبو پہلی دفعہ میں ہی اس کو پہنچنے لگتی ہے اور دل اور دماغ کا معطر ہونا شروع ہوتا جاتا ہے بشرطیکہ قوتِ شامہ میں کچھ فساد نہ ہو۔ غرض اس صداقت کے التزام میں طالب صادق کو اپنے ہیچ اور بے حقیقت ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کے متصرّف مطلق اور مبدء فیوض ہونے پر شہادت دینی پڑتی ہے۔ اور یہ دونوں ایسے امر ہیں کہ جو حق کے طالبوں کا مقصود ہے اور مرتبہء فنا کے حاصل کرنے کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ اس ضروری شرط کے سمجھنے کے لئے یہی مثال کافی ہے کہ بارش اگرچہ عالمگیر ہو مگر تاہم اس پر پڑتی ہے کہ جو بارش کے موقعہ پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ طلب کرتے ہیں وہی پاتے ہیں اور جو ڈھونڈتے ہیں انہیں کو ملتا ہے۔ جو لوگ کسی کام کے شروع کرنے کے وقت اپنے ہنر یا عقل یا طاقت پر بھروسا رکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ پر بھروسہ نہیں رکھتے وہ اس ذات قادر مطلق کا کہ جو اپنی قیومی کے ساتھ تمام عالم پر محیط ہے کچھ قدر شناخت نہیں کرتے اور ان کا ایمان اس خشک ٹہنی کی طرح ہوتا ہے کہ جس کو اپنے شاداب اور سرسبز درخت سے کچھ علاقہ نہیں رہا اور جو ایسی خشک ہوگئی ہے کہ اپنے درخت کی تازگی اور پھول اور پھل سے کچھ بھی حصّہ حاصل نہیں کرسکتی صرف ظاہری جوڑ ہے جو ذرا سی جنبش ہوا سے یا کسی اور شخص کے ہلانے سے ٹوٹ سکتا ہے۔ پس ایسا ہی خشک فلسفیوں کا ایمان ہے کہ جو قیومِ عالم کے سہارے پر نظر نہیں رکھتے اور اس مبدء فیوض کو جس کا نام اللہ ہے ہر یک طرفۃ العین کے لئے اور ہر حال میں اپنا محتاج الیہ قرار نہیں دیتے۔ پس یہ لوگ حقیقی توحید سے ایسے دور پڑے ہوئے ہیں جیسے نُور سے ظلمت دور ہے۔ انہیں یہ سمجھ ہی نہیں کہ اپنے تئیں ہیچ اور لاشئے سمجھ کر قادر مطلق کی طاقت عظمیٰ کے نیچے آ پڑنا عبودیت کے مراتب کی آخری حد ہے اور توحید کا انتہائی مقام ہے جس سے فنا اتم کا چشمہ جوش مارتا ہے اور انسان اپنے نفس اور اس کے ارادوں سے بالکل کھویا جاتا ہے اور سچے

دل سے خدا کے تصرّف پر ایمان لاتا ہے۔اس جگہ ان خشک فلسفیوں کے اس مقولہ کو بھی کچھ چیز نہیں سمجھنا چاہئے کہ جو کہتے ہیں کہ کسی کام کے شروع کرنے میں استمداد الٰہی کی کیا حاجت ہے۔خدا نے ہماری فطرت میں پہلے سے طاقتیں ڈال رکھی ہیں۔پس ان طاقتوں کے ہوتے ہوئے پھر دوبارہ خدا سے طاقت مانگنا تحصیل حاصل ہے۔کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ بے شک یہ بات سچ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے بعض افعال کے بجالانے کے لئے کچھ کچھ ہم کو طاقتیں بھی دی ہیں مگر پھر بھی اس قیوم عالم کی حکومت ہمارے سر پر سے دور نہیں ہوئی اور وہ ہم سے الگ نہیں ہوا اور اپنے سہارے سے ہم کو جدا کرنا نہیں چاہا اور اپنے فیوض غیر متناہی سے ہم کو محروم کرنا روا نہیں رکھا۔جو کچھ ہم کو اس نے دیا ہے وہ ایک امر محدود ہے۔اور جو کچھ اس سے مانگا جاتا ہے اس کی نہایت نہیں۔علاوہ اس کے جو کام ہماری طاقت سے باہر ہیں ان کے حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی ہم کو طاقت نہیں دی گئی۔اب اگر غور کر کے دیکھو اور ذرا پوری فلسفیت کو کام میں لاؤ تو ظاہر ہوگا کہ کامل طور پر کوئی بھی طاقت ہم کو حاصل نہیں مثلاً ہماری بدنی طاقتیں ہماری تندرستی پر موقوف ہیں اور ہماری تندرستی بہت سے ایسے اسباب پر موقوف ہے کہ کچھ ان میں سے سماوی اور کچھ ارضی ہیں اور وہ سب کی سب ہماری طاقت سے بالکل باہر ہیں اور یہ تو ہم نے ایک موٹی سی بات عام لوگوں کی سمجھ کے موافق کہی ہے لیکن جس قدر درحقیقت وہ قیوم عالم اپنی عِلّتُ العِلَلی ہونے کی وجہ سے ہمارے ظاہر اور ہمارے باطن اور ہمارے اوّل اور ہمارے آخر اور ہمارے فوق اور ہمارے تحت اور ہمارے یمین اور ہمارے یسار اور ہمارے دل اور ہماری جان اور ہماری روح کی تمام طاقتوں پر احاطہ کر رہا ہے وہ ایک ایسا مسئلہ دقیق ہے جس کے کُنہ تک عقول بشریہ پہنچ ہی نہیں سکتیں اور اس کے سمجھانے کی اس جگہ ضرورت بھی نہیں۔کیونکہ جس قدر ہم نے اوپر لکھا ہے وہی مخالف کے الزام اور افہام کے لئے کافی ہے۔غرض قیومِ عالم کے فیوض حاصل کرنے کا یہی طریق ہے کہ اپنی ساری قوت اور زور اور طاقت سے اپنا بچاؤ طلب کیا جائے اور یہ طریق کچھ نیا طریق نہیں ہے بلکہ یہ وہی طریق ہے جو قدیم سے بنی آدم کی فطرت کے ساتھ لگا چلا آتا ہے۔جو شخص عبودیت کے طریقہ پر چلنا چاہتا ہے وہ اسی طریق کو اختیار کرتا ہے اور جو شخص خدا کے فیوض کا طالب ہے وہ اسی راستے پر قدم مارتا ہے۔اور جو شخص موردِ رحمت ہونا چاہتا ہے وہ انہیں قوانین قدیمہ کی تعمیل کرتا ہے۔یہ قوانین کچھ نئے نہیں ہیں۔یہ عیسائیوں کے خدا کی طرح کچھ مستحدث بات نہیں۔بلکہ خدا کا یہ ایک قانون محکم ہے کہ جو قدیم سے بندھا ہوا چلا آتا ہے اور سنّت اللہ ہے کہ جو ہمیشہ سے جاری ہے جس کی سچائی کثرت تجارب سے ہر یک

طالب صادق پر روشن ہے اور کیونکر روشن نہ ہو۔ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ہم لوگ کس حالتِ ضعف اور ناتوانی میں پڑے ہوئے ہیں اور بغیر خدا کی مددوں کے کیسے نکمے اور ناکارہ ہیں۔ اگر ایک ذات متصرّف مطلق ہر لحظہ اور ہر دم ہماری خبر گیراں نہ ہو۔ اور پھر اس کی رحمانیت اور رحیمیت ہماری کارسازی نہ کرے تو ہمارے سارے کام تباہ ہو جائیں۔ بلکہ ہم آپ ہی فنا کا راستہ لیں۔ پس اپنے کاموں کو خصوصاً آسمانی کتاب کو کہ جو سب امور عظیمہ سے اَدق اور اَلطف ہے۔ خداوند قادر مطلق کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے بہ نیت تبرک و استمداد شروع کرنا ایک ایسی بدیہی صداقت ہے کہ بلا اختیار ہم اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں کیوں کہ فی الحقیقت ہر یک برکت اسی راہ سے آتی ہے کہ وہ ذات جو متصرّف مطلق اور علّت العلل اور تمام فیوض کا مبدء ہے جس کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ ہے خود متوجہ ہو کر اوّل اپنی صفتِ رحمانیت کو ظاہر کرے اور جو کچھ قبل از سعی درکار ہے اس کو محض اپنے تفضّل اور احسان سے بغیر توسط عمل کے ظہور میں لاوے۔ پھر جب وہ صفت رحمانیت کی اپنے کام کو بہ تمام و کمال کر چکے اور انسان توفیق پا کر اپنی قوتوں کے ذریعہ سے محنت اور کوشش کا حق بجالاوے تو پھر دوسرا کام اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ اپنی صفتِ رحیمیت کو ظاہر کرے اور جو کچھ بندہ نے محنت اور کوشش کی ہے اس پر نیک ثمرہ مترتب کرے اور اس کی محنتوں کو ضائع ہونے سے بچا کر گوہر مراد عطا فرماوے۔ اسی صفتِ ثانی کی رو سے کہا گیا ہے کہ جو ڈھونڈتا ہے پاتا ہے، جو مانگتا ہے اس کو دیا جاتا ہے، جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جاتا ہے یعنی خدائے تعالیٰ اپنی صفتِ رحیمیت سے کسی کی محنت اور کوشش کو ضائع ہونے نہیں دیتا اور آخر جوئندہ یابندہ ہو جاتا ہے۔ غرض یہ صداقتیں ایسی بیّن الظہور ہیں کہ ہر یک شخص خود تجربہ کر کے ان کی سچائی کو شناخت کر سکتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں کہ بشرط کسی قدر عقلمندی کے یہ بدیہی صداقتیں اس پر چھپی رہیں۔ ہاں یہ بات ان عام لوگوں پر نہیں کھلتی کہ جو دلوں کی سختی اور غفلت کی وجہ سے صرف اسبابِ معتادہ پر ان کی نظر ٹھہری رہتی ہے اور جو ذات متصرّف فی الاسباب ہے اس کے تصرّفات لطیفہ پر ان کو علم حاصل نہیں ہوتا اور نہ ان کی عقل اس قدر وسیع ہوتی ہے کہ جو اس بات کو سوچ لیں کہ ہزارہا بلکہ بے شمار ایسے اسباب سماوی و ارضی انسان کے ہر یک جسم کی آرائش کے لئے درکار ہیں جن کا بہم پہنچنا ہرگز انسان کے اختیار اور قدرت میں نہیں بلکہ ایک ہی ذات مجمع صفات کاملہ ہے کہ جو تمام اسباب کو آسمانوں کے اوپر سے زمینوں کے نیچے تک پیدا کرتا ہے اور ان پر بہر طور تصرّف اور قدرت رکھتا ہے، مگر جو لوگ عقلمند ہیں وہ اس بات کو بلا تردّد بلکہ بدیہی طور پر سمجھتے ہیں اور جو ان سے بھی اعلیٰ اور

صاحب تجربہ ہیں وہ اس مسئلہ میں حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچے ہوئے ہیں لیکن یہ شبہ کرنا کہ یہ استعانت بعض اوقات کیوں بے فائدہ اور غیر مفید ہوتی ہے اور کیوں خدا کی رحمانیت و رحیمیت ہر یک وقت استعانت میں تجلّی نہیں فرماتی۔ پس یہ شبہ صرف ایک صداقت کی غلط فہمی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ ان دُعاؤں کو کہ جو خلوص کے ساتھ کی جائیں ضرور سنتا ہے اور جس طرح مناسب ہو مدد چاہنے والوں کے لئے مدد بھی کرتا ہے مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کی اِستمداد اور دُعا میں خلوص نہیں ہوتا نہ انسان دلی عاجزی کے ساتھ امدادِ الٰہی چاہتا ہے اور نہ اس کی روحانی حالت درست ہوتی ہے بلکہ اس کے ہونٹوں میں دُعا اور اس کے دل میں غفلت یا ریا ہوتی ہے۔ یا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا اس کی دُعا کو سن تو لیتا ہے اور اس کے لئے جو کچھ اپنی حکمت کاملہ کے رو سے مناسب اور اصلح دیکھتا ہے عطا بھی فرماتا ہے لیکن نادان انسان خدا کی ان الطافِ خفیہ کو شناخت نہیں کرتا اور بباعث اپنے جہل اور بے خبری کے شکوہ اور شکایت شروع کر دیتا ہے۔ اور اس آیت کے مضمون کو نہیں سمجھتا عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:۲۱۷) یعنی یہ ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو بُری سمجھو اور وہ اصل میں تمہارے لئے اچھی ہو اور ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو دوست رکھو اور وہ اصل میں تمہارے لئے بُری ہو اور خدا چیزوں کی اصل حقیقت کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اب ہماری اس تمام تقریر سے واضح ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کس قدر عالی شان صداقت ہے جس میں حقیقی توحید اور عبودیت اور خلوص میں ترقی کرنے کا نہایت عمدہ سامان موجود ہے جس کی نظیر کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اور اگر کسی کے زُعم میں پائی جاتی ہے تو وہ اس صداقت کو معہ تمام دوسری صداقتوں کے جو ہم نیچے لکھتے ہیں نکال کر پیش کرے۔

بسم اللہ پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

اس جگہ بعض کوتاہ اندیش اور نادان دشمنوں نے ایک اعتراض بھی بسم اللہ کی بلاغت پر کیا ہے۔ ان معترضین میں سے ایک صاحب تو پادری عماد الدین نام ہیں۔ جس نے اپنی کتاب ہدایت المسلمین میں اعتراض مندرجہ ذیل لکھا ہے۔ دوسرے صاحب باوا نرائن سنگھ نام وکیل امرتسری ہیں جنہوں نے پادری کے اعتراض کو سچ سمجھ کر اپنے دلی عناد کے تقاضا کی وجہ سے وہی پوچ اعتراض اپنے رسالہ ودیا پرکاش میں درج کر دیا ہے سو ہم اس اعتراض کو معہ جواب اس کے لکھنا مناسب سمجھتے ہیں تا منصفین کو معلوم ہو کہ فرطِ تعصب نے ہمارے مخالفین کو کس درجہ کی کور باطنی اور نابینائی تک پہنچا دیا ہے کہ جو نہایت درجہ کی روشنی ہے وہ ان کو

تاریکی دکھائی دیتی ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی خوشبو ہے وہ اس کو بدبُو تصور کرتے ہیں۔ سو اب جاننا چاہئے کہ جو اعتراض بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی بلاغت پر مذکورہ بالا لوگوں نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ جو بِسۡمِ اللّٰہِ میں واقع ہے یہ فصیح طرز پر نہیں۔ اگر رحیم الرحمٰن ہوتا تو یہ فصیح اور صحیح طرز تھی کیونکہ خدا کا نام رحمان باعتبار اس رحمت کے ہے کہ جو اکثر اور عام ہے اور رحیم کا لفظ بہ نسبت رحمان کے اس رحمت کے لئے آتا ہے کہ جو قلیل اور خاص ہے۔ اور بلاغت کا کام یہ ہے کہ قلت سے کثرت کی طرف انتقال ہو نہ یہ کہ کثرت سے قلت کی طرف۔ یہ اعتراض ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے اپنی آنکھیں بند کر کے اس کلام پر کیا ہے جس کلام کی بلاغت کو عرب کے تمام اہلِ زبان جن میں بڑے بڑے شاعر بھی تھے باوجود سخت مخالفت کے تسلیم کر چکے ہیں بلکہ بڑے بڑے معاند اس کلام کی شان عظیم سے نہایت درجہ تعجب میں پڑ گئے اور اکثر ان میں سے کہ جو فصیح اور بلیغ کلام کے اسلوب کو بخوبی جاننے پہچاننے والے اور مذاق سخن سے عارف اور باانصاف تھے وہ طرز قرآنی کو طاقت انسانی سے باہر دیکھ کر ایک معجزہ عظیم یقین کر کے ایمان لے آئے جن کی شہادتیں جابجا قرآن شریف میں درج ہیں اور جو لوگ سخت کور باطن تھے اگرچہ وہ ایمان نہ لائے مگر سراسیمگی اور حیرانی کی حالت میں ان کو بھی کہنا پڑا کہ یہ سحر عظیم ہے جس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا چنانچہ ان کا یہ بیان بھی فرقان مجید کے کئی مقام میں موجود ہے۔ اب اسی کلام معجز نظام پر ایسے لوگ اعتراض کرنے لگے جن میں سے ایک تو وہ شخص ہے جس کو دو سطریں عربی کی بھی صحیح اور بلیغ طور پر لکھنے کا ملکہ نہیں اور اگر کسی اہلِ زبان سے بات چیت کرنے کا اتفاق ہوا تو بجز ٹوٹے پھوٹے اور بے ربط اور غلط فقروں کے کچھ بول نہ سکے اور اگر کسی کو شک ہو تو امتحان کر کے دیکھ لے اور دوسرا وہ شخص ہے جو علم عربی سے بکلّی بے بہرہ بلکہ فارسی بھی اچھی طرح نہیں جانتا۔ اور افسوس کہ عیسائی مقدم الذکر کو یہ بھی خبر نہیں کہ یورپ کے اہلِ علم کہ جو اس کے بزرگ اور پیشرو ہیں جن کا بورٹ صاحب☆ وغیرہ انگریزوں نے ذکر کیا ہے وہ خود قرآن شریف کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے قائل ہیں اور پھر دانا کو زیادہ تر اس بات پر غور کرنی چاہئے کہ جب ایک کتاب جو خود ایک اہلِ زبان پر ہی نازل ہوئی ہے اور اس کی کمال بلاغت پر تمام اہلِ زبان بلکہ سبعہ معلقہ کے شعراء جیسے اتفاق کر چکے ہیں تو کیا ایسا مسلّم الثبوت کلام کسی نادان اجنبی وژولیدہ زبان والے کے انکار سے جو کہ لیاقت فن سخن سے محض بے نصیب اور توغل علوم عربیہ سے بالکل بے بہرہ بلکہ کسی ادنیٰ عربی آدمی کے مقابلہ پر بولنے سے عاجز ہے قابل اعتراض ٹھہر سکتا ہے بلکہ ایسے لوگ جو اپنی حیثیت سے بڑھ کر بات کرتے ہیں خود اپنی نادانی دکھلاتے ہیں اور یہ نہیں

☆(سو کتابت ہے صحیح پورٹ (جان ڈیون پورٹ JOHNDAVENPORT) ہے۔ ناشر)

سمجھتے کہ اہلِ زبان کی شہادت کے برخلاف اور بڑے بڑے نامی شاعروں کی گواہی کے مخالف کوئی نکتہ چینی کرنا حقیقت میں اپنی جہالت اور خرفطرتی دکھلانا ہے۔ بھلا عمادالدین پادری کسی عربی آدمی کے مقابلہ پر کسی دینی یا دنیوی معاملہ میں ذرا ایک آدھ گھنٹہ تک ہم کو بول کر تو دکھاوے تا اوّل یہی لوگوں پر کھلے کہ اس کو سیدھی سادھی اور بامحاورہ اہلِ عرب کے مذاق پر بات چیت کرنی آتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ اس کو ہرگز نہیں آتی اور ہم بہ یقین تمام جانتے ہیں کہ اگر ہم کسی عربی آدمی کو اس کے سامنے بولنے کے لئے پیش کریں تو وہ عربوں کی طرح اور ان کے مذاق پر ایک چھوٹا سا قصہ بھی بیان نہ کر سکے اور جہالت کے کیچڑ میں پھنسا رہ جائے اور اگر شک ہے تو اس کو قسم ہے کہ آزما کر دیکھ لے۔ اور ہم خود اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ اگر پادری عمادالدین صاحب ہم سے درخواست کریں تو ہم کوئی عربی آدمی بہم پہنچا کر کسی مقررہ تاریخ پر ایک جلسہ کریں گے جس میں چند لائق ہندو ہوں گے اور چند مولوی مسلمان بھی ہوں گے اور عمادالدین صاحب پر لازم ہوگا کہ وہ بھی چند عیسائی بھائی اپنے ساتھ لے آویں اور پھر سب حاضرین کے روبرو اوّل عمادالدین صاحب کوئی قصہ جو اسی وقت ان کو بتلایا جائے گا عربی زبان میں بیان کریں۔ اور پھر وہی قصہ وہ عربی صاحب کہ جو مقابل پر حاضر ہوں گے اپنی زبان میں بیان فرماویں۔ پھر اگر منصفوں نے یہ رائے دے دی کہ عمادالدین صاحب نے ٹھیک ٹھیک عربوں کے مذاق پر عمدہ اور لطیف تقریر کی ہے تو ہم تسلیم کرلیں گے کہ ان کا اہلِ زبان پر نکتہ چینی کرنا کچھ جائے تعجب نہیں بلکہ اسی وقت پچاس روپیہ نقد بطور انعام ان کو دیئے جائیں گے لیکن اگر اس وقت عمادالدین صاحب بجائے فصیح اور بلیغ تقریر کے اپنے ژولیدہ اور غلط بیان کی بدبو پھیلانے لگے یا اپنی رسوائی اور نالیاقتی سے ڈر کر کسی اخبار کے ذریعہ سے یہ اطلاع بھی نہ دی کہ میں ایسے مقابلہ کے لئے حاضر ہوں تو پھر ہم بجز اس کے کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر عمادالدین صاحب تولد ثانی بھی پاویں تب بھی وہ کسی اہلِ زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پھر جس حالت میں وہ عربوں کے سامنے بھی بول نہیں سکتے اور فی الفور گونگا بننے کے لئے طیار ہیں تو پھر ان عیسائیوں اور آریوں کی ایسی سمجھ پر ہزار حیف اور دو ہزار لعنت ہے کہ جو ایسے نادان کی تالیف پر اعتماد کر کے اس بے مثل کتاب کی بلاغت پر اعتراض کرتے ہیں کہ جس نے سیّد العرب پر نازل ہو کر عرب کے تمام فصیحوں اور بلیغوں سے اپنی عظمت شان کا اقرار کرایا۔ اور جس کے نازل ہونے سے سبعہ معلقہ مکہ کے دروازہ پر سے اتارا گیا اور معلقہ مذکورہ کے شاعروں میں سے جو شاعر اس وقت بقید حیات تھا وہ

بلاتوقف اس کتاب پر ایمان لایا۔ پھر دوسرا افسوس یہ کہ اس نادان عیسائی کو اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ بلاغتِ حقیقی اس امر میں محدود نہیں کہ قلیل کو کثیر پر ہر جگہ اور ہر محل میں خواہ نخواہ مقدم رکھا جائے بلکہ اصل قاعدہ بلاغت کا یہ ہے کہ اپنے کلام کو واقعی صورت اور مناسب وقت کا آئینہ بنایا جاوے سو اس جگہ بھی رحمان کو رحیم پر مقدم کرنے میں کلام کو واقعی صورت اور ترتیب کا آئینہ بنایا گیا ہے چنانچہ اس ترتیب طبعی کا مفصل ذکر ابھی سورۃ فاتحہ کی آئندہ آیتوں میں آوے گا۔ (براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۱۴ تا ۴۳۵ حاشیہ نمبر ۱۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِعْلَمْ وَهَبَ لَكَ اللّٰهُ عِلْمَ أَسْمَآئِهٖ. وَهَدَاكَ إِلٰى طُرُقِ مَرْضَاتِهٖ وَ سُبُلِ رِضَآئِهٖ. أَنَّ الْاِسْمَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْوَسْمِ الَّذِيْ هُوَ أَثَرُ الْكَيِّ فِي اللِّسَانِ الْعَرَبِيَّةِ. يُقَالُ "اَلْتَسَمَ الرَّجُلُ" إِذَا جَعَلَ لِنَفْسِهٖ سِمَةً يُعْرَفُ بِهَا وَ يُمَيَّزُ بِهَا عِنْدَ الْعَامَّةِ. وَ مِنْهُ سِمَتُ الْبَعِيْرِ وَ وِسَامُهٗ عِنْدَ أَهْلِ اللِّسَانِ. وَ هُوَ مَا وُسِمَ بِهِ الْبَعِيْرُ مِنْ ضُرُوْبِ الصُّوَرِ لِيُعْلَمَ لِلْعِرْفَانِ. وَ مِنْهُ مَا يُقَالُ إِنِّيْ تَوَسَّمْتُ فِيْهِ الْخَيْرَ. وَ مَا رَأَيْتُ الضَّيْرَ. أَيْ تَفَرَّسْتُ فَمَا رَأَيْتُ سِمَةَ شَرٍّ فِيْ مُحَيَّاهُ. وَ لَا أَثَرَ خُبْثٍ فِيْ مُحَيَّاهُ. وَ مِنْهُ الْوَسْمِيُّ الَّذِيْ هُوَ أَوَّلُ مَطَرٍ مِّنْ أَمْطَارِ الرَّبِيْعِ. لِأَنَّهٗ يَسِمُ الْأَرْضَ إِذَا نَزَلَ كَالْيَنَابِيْعِ. وَ يُقَالُ أَرْضٌ مَّوْسُوْمَةٌ

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اسماء کا علم عطا فرمائے اور اپنی رضاء اور خوشنودی کی راہوں اور طریقوں پر چلائے۔ جان لیں کہ اسم کا لفظ (جو بِسْمِ اللّٰهِ میں آیا ہے) وَسْمٌ سے مشتق ہے اور وَسْمٌ عربی زبان میں داغ دینے کے نشان کو کہتے ہیں۔ چنانچہ لغتِ عرب میں اِلْتَسَمَ الرَّجُلُ اُس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنے لئے کوئی ایسی علامت مقرر کرلے جس سے وہ پہچانا جاسکے اور عوام الناس اُسے دوسرے اشخاص سے الگ سمجھ سکیں اور اہلِ زبان کے نزدیک وَسْمٌ کے لفظ سے ہی سِمَةُ الْبَعِيْرِ اور وِسَامُ الْبَعِيْرِ مشتق ہے۔ جس کے معنے اونٹ پر داغ دے کر کوئی شکل بنانے کے ہیں تا وہ شکل اُس کی شناخت میں معہ ہو۔ اور اسی لفظ وَسْمٌ سے اہلِ عرب کا یہ محاورہ ہے اِنِّيْ تَوَسَّمْتُ فِيْهِ الْخَيْرَ وَمَا رَأَيْتُ الضَّيْرَ یعنی میں نے اس کے چہرے پر غور کیا اور اس پر کوئی شر کی علامت نہ دیکھی اور نہ ہی میں نے اس کی زندگی میں بدی کا کوئی نشان پایا۔ پھر اسی لفظ وَسْمٌ سے وَسْمِيٌّ کا لفظ نکلا ہے جس کے معنی موسم بہار کی پہلی بارش کے ہیں کیونکہ جب وہ برستی ہے تو زمین پر پانی بہنے کے نشان بناتی ہے جیسے چشمے اپنے بہنے سے نشان بناتے ہیں۔

بسم اللہ کی تفسیر کے بعد درج ذیل صفحات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سورۃ فاتحہ کی دیگر آیات کی تفسیر بیان فرماتے ہیں۔

غرض اَلرَّحِیْم کہہ کر خدا ایسے ہی لوگوں کا ردّ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جو محنت کرتا ہے اور خدا کے عشق اور محبت میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ دوسروں سے ممتاز اور خدا کا منظورِ نظر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی خود دستگیری کرتا ہے جیسے فرمایا وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) یعنی جو لوگ ہماری خاطر مجاہدات کرتے ہیں آخر ہم ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ جتنے اولیاء، انبیاء اور بزرگ لوگ گذرے ہیں۔ انہوں نے خدا کی راہ (میں) جب بڑے بڑے مجاہدات کئے تو آخر خدا نے اپنے دروازے ان پر کھول دیئے۔ لیکن وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی اس صفت کو نہیں مانتے عموماً ان کا یہی مقولہ ہوتا ہے کہ میاں ہماری کوششوں میں کیا پڑا ہے۔ جو کچھ تقدیر میں پہلے روز سے لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ ہماری محنتوں کی کوئی ضرورت نہیں جو ہونا ہے وہ آپ ہی ہو جائے گا اور شاید چوروں اور ڈاکوؤں اور دیگر بدمعاشوں کا اندر ہی اندر یہی مذہب ہوتا ہوگا۔ غرض یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے فعل دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں جن میں اعمال کا کوئی دخل نہیں جیسے سورج چاند ہوا وغیرہ جو خدا تعالیٰ نے بغیر ہمارے کسی عمل کے ہمارے وجود میں آنے سے ہی پیشتر اپنی قدرتِ کاملہ سے تیار کر رکھے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جن میں اعمال کا دخل ہے۔ اور عابد زاہد اور پرہیز گار لوگ عبادت کرتے اور پھر اپنا اجر پاتے ہیں۔ (الحکم نمبر ۱ جلد ۱۲ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ تمام محامد اس ذات معبود برحق مستجمع جمیع صفات کاملہ کو ثابت ہیں جس کا نام اللہ ہے۔.....

قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ اس ذات کامل کا نام ہے کہ جو معبود برحق اور مستجمع جمیع صفات کاملہ اور تمام رذائل سے منزّہ اور واحد لاشریک اور مبدء جمیع فیوض ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں اپنے نام اللہ کو تمام دوسرے اسماء وصفات کا موصوف ٹھہرایا ہے اور کسی جگہ کسی دوسرے اسم کو یہ رُتبہ نہیں دیا۔ پس اللہ کے اسم کو بوجہ موصوفیت تامہ ان تمام صفتوں پر دلالت ہے جن کا وہ موصوف ہے اور چونکہ وہ جمیع اسماء اور صفات کا موصوف ہے اس لئے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ جمیع صفات کاملہ پر مشتمل ہے۔ پس خلاصہ مطلب الحمد للہ کا یہ نکلا کہ تمام اقسام حمد کے کیا باعتبار ظاہر کے اور کیا باعتبار باطن کے اور کیا باعتبار ذاتی کمالات کے اور کیا باعتبار قدرتی عجائبات کے اللہ سے مخصوص ہیں اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اور نیز جس قدر محامد صحیحہ اور کمالاتِ تامہ کو عقل کسی عاقل کی سوچ سکتی ہے یا فکر کسی متفکر کا ذہن میں لا سکتا ہے۔

وہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں۔ اور کوئی ایسی خوبی نہیں کہ عقل اس خوبی کے امکان پر شہادت دے۔ مگر اللہ تعالیٰ بدقسمت انسان کی طرح اس خوبی سے محروم ہو۔ بلکہ کسی عاقل کی عقل ایسی خوبی پیش ہی نہیں کرسکتی کہ جو خدا میں نہ پائی جائے۔ جہاں تک انسان زیادہ سے زیادہ خوبیاں سوچ سکتا ہے وہ سب اس میں موجود ہیں اور اس کو اپنی ذات اور صفات اور محامد میں من کل الوجوہ کمال حاصل ہے اور رذائل سے بکلّی منزّہ ہے۔ (براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۳۵، ۴۳۶ حاشیہ نمبر ۱۱)

اِعْلَمْ أَنَّ الْحَمْدَ ثَنَآءٌ عَلَى الْفِعْلِ الْجَمِيْلِ لِمَنْ يَّسْتَحِقُّ الثَّنَآءَ. وَمَدْحٌ لِّمُنْعِمٍ أَنْعَمَ مِنَ الْإِرَادَةِ وَ أَحْسَنَ كَيْفَ شَآءَ. وَلَا يَتَحَقَّقُ حَقِيْقَةُ الْحَمْدِ كَمَا هُوَ حَقُّهَا إِلَّا لِلَّذِيْ هُوَ مَبْدَءٌ لِّجَمِيْعِ الْفُيُوْضِ وَالْأَنْوَارِ. وَمُحْسِنٌ عَلٰى وَجْهِ الْبَصِيْرَةِ لَا مِنْ غَيْرِ الشُّعُوْرِ وَلَا مِنَ الْإِضْطِرَارِ. فَلَا يُوْجَدُ هٰذَا الْمَعْنٰى إِلَّا فِي اللهِ الْخَبِيْرِ الْبَصِيْرِ. وَ إِنَّهُ هُوَ الْمُحْسِنُ وَمِنْهُ الْمِنَنُ كُلُّهَا فِي الْأَوَّلِ وَالْأٰخِرِ. وَلَهُ الْحَمْدُ فِي هٰذِهِ الدَّارِ وَتِلْكَ الدَّارِ. وَإِلَيْهِ يَرْجِعُ كُلُّ حَمْدٍ يُّنْسَبُ إِلَى الْأَغْيَارِ. ثُمَّ إِنَّ لَفْظَ الْحَمْدِ مَصْدَرٌ مَّبْنِيٌّ عَلَى الْمَعْلُوْمِ وَالْمَجْهُوْلِ. وَلِلْفَاعِلِ وَ الْمَفْعُوْلِ. مِنَ اللهِ ذِي الْجَلَالِ. وَ مَعْنَاهُ أَنَّ اللهَ هُوَ مُحَمَّدٌ وَّ هُوَ أَحْمَدُ عَلٰى وَجْهِ الْكَمَالِ. وَ الْقَرِيْنَةُ الدَّآلَّةُ عَلٰى هٰذَا الْبَيَانِ. أَنَّهُ تَعَالٰى ذَكَرَ

واضح ہو کہ حمد اس تعریف کو کہتے ہیں جو کسی مستحق تعریف کے اچھے فعل پر کی جائے نیز ایسے انعام کنندہ کی مدح کا نام ہے جس نے اپنے ارادہ سے انعام کیا ہو۔ اور اپنی مشیت کے مطابق احسان کیا ہو۔ اور حقیقت حمد کما حقہ صرف اسی ذات کے لئے متحقق ہوتی ہے جو تمام فیوض وانوار کا مبدء ہو اور علیٰ وجہ البصیرت کسی پر احسان کرے نہ کہ غیر شعوری طور پر یا کسی مجبوری سے۔ اور حمد کے یہ معنی صرف خدائے خبیر و بصیر کی ذات میں ہی پائے جاتے ہیں۔ اور وہی محسن ہے اور اوّل وآخر میں سب احسان اسی کی طرف سے ہیں۔ اور سب تعریف اسی کے لئے ہے اس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی اور ہر حمد جو اس کے غیروں کے متعلق کی جائے اس کا مرجع بھی وہی ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ لفظ حمد جو اس آیت میں اللہ ذوالجلال کی طرف سے استعمال ہوا ہے مصدر ہے جو بطور مبنی للمعلوم اور مبنی للمجہول ہے۔ یعنی فاعل اور مفعول دونوں کے لئے ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کامل طور پر تعریف کیا گیا اور تعریف کرنے والا ہے۔ اور اس بیان پر دلالت کرنے والا قرینہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حمد کے بعد ایسی صفات کا ذکر فرمایا ہے جو اہل عرفان کے

بَعْدَ الْحَمْدِ صِفَاتًا تَسْتَلْزِمُ هٰذَا الْمَعْنٰى عِنْدَ أَهْلِ الْعِرْفَانِ. وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَوْمَأَ فِيْ لَفْظِ الْحَمْدِ إِلٰى صِفَاتٍ تُوْجَدُ فِيْ نُوْرِهِ الْقَدِيْمِ.

نزدیک ان معنی کو مستلزم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے لفظ حمد میں ان صفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو اس کے ازلی نُور میں پائی جاتی ہیں۔

ثُمَّ فَسَّرَ الْحَمْدَ وَجَعَلَهٗ مُخَدَّرَةً سَفَرَتْ عَنْ وَجْهِهَا عِنْدَ ذِكْرِ الرَّحْمَانِ وَالرَّحِيْمِ. فَإِنَّ الرَّحْمَانَ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الْحَمْدَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْمَعْلُوْمِ. وَالرَّحِيْمَ يَدُلُّ عَلَى الْمَجْهُوْلِ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى أَهْلِ الْعُلُوْمِ.

پھر اس نے اس لفظ حمد کی تفسیر فرمائی ہے اور اسے ایک ایسی پردہ نشین قرار دیا ہے جو رحمان اور رحیم کے ذکر پر اپنے چہرہ سے نقاب اٹھاتی ہے کیونکہ رحمٰن کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ حمد مصدر معروف ہے اور اسی طرح رحیم کا لفظ حمد کے مصدر مجہول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ (ترجمہ از مرتب)

(اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۹-۱۳۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. هُوَ الثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ عَلَى الْجَمِيْلِ لِلْمُقْتَدِرِ التَّبْجِيْلِ عَلٰى قَصْدِ التَّبْجِيْلِ. وَ الْكَامِلُ التَّامُّ مِنْ أَفْرَادِهٖ مُخْتَصٌّ بِالرَّبِّ الْجَلِيْلِ وَ كُلُّ حَمْدٍ مِنَ الْكَثِيْرِ وَالْقَلِيْلِ يَرْجِعُ إِلٰى رَبِّنَا الَّذِيْ هُوَ هَادِيُّ الضَّآلِّ وَ مُعِزُّ الذَّلِيْلِ وَهُوَ مَحْمُوْدُ الْمَحْمُوْدِيْنَ وَ الشُّكْرُ يُفَارِقُ الْحَمْدَ بِخُصُوْصِيَّتِهٖ بِالصِّفَاتِ الْمُتَعَدِّيَةِ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَآءِ وَ الْمَدْحُ يُفَارِقُهٗ فِيْ جَمِيْلٍ غَيْرِ اخْتِيَارِيٍّ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى الْبُلَغَآءِ وَالْأُدَبَآءِ الْمَاهِرِيْنَ.

حمد اس تعریف کو کہتے ہیں جو کسی صاحب اقتدار شریف ہستی کے اچھے کاموں پر اس کی تعظیم و تکریم کے ارادہ سے زبان سے کی جائے اور کامل ترین حمد ربّ جلیل سے مخصوص ہے اور ہر قسم کی حمد کا مرجع خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہمارا وہ ربّ ہے جو گمراہوں کو ہدایت دینے والا اور ذلیل لوگوں کو عزت بخشنے والا ہے۔ اور وہ محمودوں کا محمود ہے (یعنی وہ ہستیاں جو خود قابلِ حمد ہیں وہ سب اس کی حمد میں لگی ہوئی ہیں)۔ اکثر علماء کے نزدیک لفظ شکر حمد سے اس پہلو میں فرق رکھتا ہے کہ وہ ایسی صفات سے مختص ہے کہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچانے والی ہوں اور لفظ مدح لفظ حمد سے اس بات میں مختلف ہے کہ مدح کا اطلاق غیر اختیاری خوبیوں پر بھی ہوتا ہے۔ اور یہ امر فصیح و بلیغ علماء اور ماہر ادباء سے مخفی نہیں۔

وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى افْتَتَحَ كِتَابَهُ بِالْحَمْدِ لَا بِالشُّكْرِ وَلَا بِالثَّنَاءِ لِأَنَّ الْحَمْدَ يُحِيطُ عَلَيْهِمَا بِالْاِسْتِيفَاءِ وَقَدْ نَابَ مَنَابَهُمَا مَعَ الزِّيَادَةِ فِي الرِّفَاءِ وَ فِي التَّزْيِينِ وَالتَّحْسِينِ. وَلِأَنَّ الْكُفَّارَ كَانُوا يَحْمَدُونَ طَوَاغِيتَهُمْ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيُؤْثِرُونَ لَفْظَ الْحَمْدِ لِمَدْحِهِمْ وَ يَعْتَقِدُونَ أَنَّهُمْ مَنْبَعُ الْمَوَاهِبِ وَالْجَوَائِزِ وَمِنَ الْجَوَادِينَ. وَكَذَالِكَ كَانَ مَوْتَاهُمْ يُحْمَدُونَ عِنْدَ تَعْدِيدِ النَّوَادِبِ بَلْ فِي الْمَيَادِينِ وَ الْمَأْدِبِ كَحَمْدِ اللهِ الرَّازِقِ الْمُتَوَلِّي الضَّمِينِ. فَهٰذَا رَدٌّ عَلَيْهِمْ وَعَلَى كُلِّ مَنْ أَشْرَكَ بِاللهِ وَذِكْرٌ لِلْمُتَوَسِّمِينَ. وَفِي ذٰلِكَ يَلُومُ اللهُ تَعَالَى عَبَدَةَ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى وَكُلَّ مَنْ كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. فَكَأَنَّهُ يَقُولُ أَيُّهَا الْمُشْرِكُونَ لِمَ تَحْمَدُونَ شُرَكَاءَكُمْ وَتُطْرُونَ كُبَرَاءَكُمْ. أَهُمْ أَرْبَابُكُمُ الَّذِينَ رَبَّوْكُمْ وَ أَبْنَاءَكُمْ. أَمْ هُمُ الرَّاحِمُونَ الَّذِينَ يَرْحَمُونَكُمْ وَيَرُدُّونَ بَلَاءَكُمْ وَيَدْفَعُونَ مَا سَاءَكُمْ وَضَرَّاءَكُمْ وَيَحْفَظُونَ خَيْرًا جَاءَكُمْ

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو حمد سے شروع کیا ہے نہ کہ شکر اور مدح سے کیونکہ لفظ حمد ان دونوں الفاظ کے مفہوم پر پوری طرح حاوی ہے۔ اور وہ ان کا قائمقام ہوتا ہے مگر اس میں اصلاح، آرائش اور زیبائش کا مفہوم ان سے زائد ہے۔ چونکہ کفار بلاوجہ اپنے بتوں کی حمد کیا کرتے تھے اور وہ ان کی مدح کے لئے حمد کے لفظ کو اختیار کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ معبود تمام عطایا اور انعامات کے سرچشمہ ہیں اور سخیوں میں سے ہیں۔ اسی طرح ان کے مُردوں کی ماتم کرنے والیوں کی طرف سے مفاخرشماری کے وقت بلکہ میدانوں میں بھی اور ضیافتوں کے مواقع پر بھی اسی طرح حمد کی جاتی تھی جس طرح اس رازق، متولّی اور ضامن اللہ تعالیٰ کی حمد کی جانی چاہئے۔ اس لئے یہ (الحمدللہ) ایسے لوگوں اور دوسرے تمام مشرکوں کی تردید ہے اور فراست سے کام لینے والوں کے لئے (اس میں) نصیحت ہے۔ اور ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ بت پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں اور دوسرے تمام مشرکوں کو سرزنش کرتا ہے۔ گویا وہ یہ کہتا ہے کہ اے مشرکو! تم اپنے شرکاء کی کیوں حمد کرتے ہو اور اپنے بزرگوں کی تعریف بڑھا چڑھا کر کیوں کرتے ہو؟ کیا وہ تمہارے ربّ ہیں جنہوں نے تمہاری اور تمہاری اولاد کی پرورش کی ہے یا وہ ایسے رحم کرنے والے ہیں جو تم پر ترس کھاتے ہیں اور تمہاری مصیبتوں کو دور کرتے ہیں اور تمہارے دکھوں اور تکلیفوں کی روک تھام کرتے ہیں۔ یا جو بھلائی تمہیں مل چکی ہے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ یا

وَيَرْحَضُوْنَ عَنْكُمْ قَشْفَ الشَّدَائِدِ وَيُدَاوُوْنَ دَائَكُمْ أَمْ هُمْ مَالِكُ يَوْمِ الدِّيْنِ. بَلِ اللهُ يُرَبِّيْ وَيَرْحَمُ بِتَكْمِيْلِ الرِّفَاءِ وَعَطَاءِ أَسْبَابِ الْاِهْتِدَآءِ وَ اسْتِجَابَةِ الدُّعَاءِ وَالتَّنْجِيَةِ مِنَ الْأَعْدَآءِ وَسَيُعْطِيْ أَجْرَ الْعَامِلِيْنَ الصَّالِحِيْنَ.

وَفِيْ لَفْظِ الْحَمْدِ إِشَارَةٌ أُخْرٰى وَ هِيَ أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ أَيُّهَا الْعِبَادُ اعْرِفُوْنِيْ بِصِفَاتِيْ وَتَعَرَّفُوْنِيْ بِكَمَالَاتِيْ فَإِنِّيْ لَسْتُ كَالنَّاقِصِيْنَ بَلْ يَزِيْدُ حَمْدِيْ عَلٰى إِطْرَآءِ الْحَامِدِيْنَ. وَلَنْ تَجِدَ مَحَامِدَ لَا فِي السَّمٰوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِيْنَ إِلَّا وَتَجِدُهَا فِيْ وَجْهِيْ وَإِنْ أَرَدْتَّ إِحْصَآءَ مَحَامِدِيْ فَلَنْ تُحْصِيَهَا وَ إِنْ فَكَّرْتَ بِشِقِّ نَفْسِكَ وَ كَلَّفْتَ فِيْهَا كَالْمُسْتَغْرِقِيْنَ. فَانْظُرْ هَلْ تَرٰى مِنْ حَمْدٍ لَا يُوْجَدُ فِيْ ذَاتِيْ. وَ هَلْ تَجِدُ مِنْ كَمَالٍ بُعْدَ مِنِّيْ وَمِنْ حَضْرَتِيْ. فَإِنْ زَعَمْتَ كَذٰلِكَ فَمَا عَرَفْتَنِيْ وَأَنْتَ مِنْ قَوْمٍ عَمِيْنَ. بَلْ إِنِّيْ أُعْرَفُ بِمَحَامِدِيْ وَ كَمَالَاتِيْ وَيُرٰى وَابِلِيْ بِسُحُبِ بَرَكَاتِيْ فَالَّذِيْنَ حَسِبُوْنِيْ مُسْتَجْمِعَ جَمِيْعِ

مصائب کی میل کچیل تمہارے وجود سے دھوتے ہیں اور تمہاری بیماری کا علاج کرتے ہیں۔ کیا وہ جزا سزا کے دن کے مالک ہیں؟ نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خوشیوں کی تکمیل کرنے، ہدایت کے اسباب مہیا کرنے، دُعائیں قبول کرنے اور دشمنوں سے نجات دینے کے ذریعہ تم پر رحم فرماتا اور تمہاری پرورش کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو ضرور اجر عطا کرے گا۔

اور لفظ حمد میں ایک اور اشارہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے (میرے) بندو! میری صفات سے مجھے شناخت کرو اور میرے کمالات سے مجھے پہچانو۔ میں ناقص ہستیوں کی مانند نہیں بلکہ میری حمد کا مقام انتہائی مبالغہ سے حمد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے اور تم آسمانوں اور زمینوں میں کوئی قابلِ تعریف صفات نہیں پاؤ گے جو تمہیں میری ذات میں نہ مل سکیں۔ اور اگر تم میری قابلِ حمد صفات کو شمار کرنا چاہو تو تم ہرگز انہیں نہیں گن سکو گے۔ اگرچہ تم کتنا ہی جان توڑ کر سوچو اور اپنے کام میں مستغرق ہونے والوں کی طرح ان صفات کے بارہ میں کتنی ہی تکلیف اٹھاؤ۔ خوب سوچو! کیا تمہیں کوئی ایسی حمد نظر آتی ہے جو میری ذات میں نہ پائی جاتی ہو؟ کیا تمہیں ایسے کمال کا سراغ ملتا ہے جو مجھ سے اور میری بارگاہ سے بعید ہو؟ اور اگر تم ایسا گمان کرتے ہو تو تم نے مجھے پہچانا ہی نہیں اور تم اندھوں میں سے ہو۔ بلکہ یقیناً میں (اللہ تعالیٰ) اپنی ستودہ صفات اور اپنے کمالات سے پہچانا جاتا ہوں اور میری موسلا دھار

صِفَاتٍ كَامِلَةٍ وَّ كَمَالَاتٍ شَامِلَةٍ وَّمَا وَجَدُوْا مِنْ كَمَالٍ وَّمَا رَأَوْا مِنْ جَلَالٍ إِلٰى جَوَلَانِ خَيَالٍ إِلَّا وَنَسَبُوْهَا إِلَيَّ وَعَزَوْا إِلَيَّ كُلَّ عَظَمَةٍ ظَهَرَتْ فِيْ عُقُوْلِهِمْ وَ أَنْظَارِهِمْ وَكُلَّ قُدْرَةٍ تَرَآءَتْ أَمَامَ أَفْكَارِهِمْ فَهُمْ قَوْمٌ يَّمْشُوْنَ عَلٰى طُرُقِ مَعْرِفَتِيْ وَ الْحَقُّ مَعَهُمْ وَ أُولٰئِكَ مِنَ الْفَآئِزِيْنَ. فَقُوْمُوْا عَافَاكُمُ اللهُ وَاسْتَفْرُوْا فَحَامِدَهٗ عَزَّ اسْمُهٗ وَ انْظُرُوْا وَأَمْعِنُوْا فِيْهَا كَالْأَكْيَاسِ وَ الْمُتَفَكِّرِيْنَ. وَاسْتَنْفِضُوْا وَاسْتَشِقُّوْا أَنْظَارَكُمْ إِلٰى كُلِّ جِهَةٍ كَمَالٍ وَّتَحَسَّسُوْا مِنْهُ فِيْ قَيْضِ الْعَالَمِ وَ فُجِّهٖ كَمَا يَتَحَسَّسُ الْحَرِيْصُ أَمَانِيَّهٗ بِشُحِّهٖ فَإِذَا وَجَدْتُّمْ كَمَالَهُ التَّآمَّ وَ رَيَّاهُ فَإِذَا هُوَ إِيَّاهُ وَ هٰذَا سِرٌّ لَّا يَبْدُوْ إِلَّا عَلَى الْمُسْتَرْشِدِيْنَ. فَذَالِكُمْ رَبُّكُمْ وَ مَوْلَاكُمُ الْكَامِلُ الْمُسْتَجْمِعُ لِجَمِيْعِ الصِّفَاتِ الْكَامِلَةِ وَالْمَحَامِدِ التَّآمَّةِ الشَّامِلَةِ وَلَا يَعْرِفُهٗ إِلَّا مَنْ تَدَبَّرَ فِي الْفَاتِحَةِ وَاسْتَعَانَ بِقَلْبٍ حَزِيْنٍ. وَإِنَّ الَّذِيْنَ يُخْلِصُوْنَ مَعَ اللهِ نِيَّةَ الْعَقْدِ

بارش کا پتہ میری برکات کے بادلوں سے ہوتا ہے۔ پس جن لوگوں نے مجھے تمام صفاتِ کاملہ اور تمام کمالات کا جامع یقین کیا اور انہوں نے جہاں جو کمال بھی دیکھا اور اپنے خیال کی انتہائی پرواز تک انہیں جو جلال بھی نظر آیا انہوں نے اُسے میری طرف ہی نسبت دی۔ اور ہر عظمت جو ان کی عقلوں اور نظروں میں نمایاں ہوئی اور ہر قدرت جو ان کے افکار کے آئینہ میں انہیں دکھائی دی انہوں نے اسے میری طرف ہی منسوب کیا۔ پس یہ ایسے لوگ ہیں جو میری معرفت کی راہوں پر گامزن ہیں۔ حق ان کے ساتھ ہے اور وہ کامیاب ہونے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت سے رکھے۔ اُٹھو! خدائے ذوالجلال کی صفات کی تلاش میں لگ جاؤ اور دانشمندوں اور غور و فکر کرنے والوں کی طرح ان میں سوچ و بچار اور امعانِ نظر سے کام لو۔ اچھی طرح دیکھ بھال کرو اور کمال کے ہر پہلو پر گہری نظر ڈالو۔ اور اس عالم کے ظاہر میں اور اس کے باطن میں اسے اس طرح تلاش کرو جیسے ایک حریص انسان بڑی رغبت سے اپنی خواہشات کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔ پس جب تم اس کے کمال تام کو پہنچ جاؤ اور اس کی خوشبو پالو تو گویا تم نے اسی کو پالیا اور یہ ایسا راز ہے جو صرف ہدایت کے طالبوں پر ہی کھلتا ہے۔ پس یہ تمہارا ربّ اور تمہارا آقا ہے جو خود کامل ہے اور تمام صفاتِ کاملہ اور محامد کا جامع ہے۔ اس کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جو سورۃ فاتحہ میں تدبّر کرے اور دردمند دل کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مدد مانگے۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے عہد باندھتے وقت اپنی نیت کو خالص کر لیتے

وَيُعْطُوْنَهٗ صَفْقَةَ الْعَهْدِ وَيُطَهِّرُوْنَ أَنْفُسَهُمْ مِنَ الضِّغْنِ وَالْحِقْدِ تُفَتَّحُ عَلَيْهِمْ أَبْوَابُهَا فَإِذَا هُمْ مِنَ الْمُبْصِرِيْنَ.

ہیں اور اس سے عہدِ بیعت باندھتے ہیں اور اپنے نفوس کو ہر قسم کے بُغض اور کینہ سے پاک کرتے ہیں ان پر اس سورۃ کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور وہ فوراً صاحبِ بصیرت بن جاتے ہیں۔

وَ مَعَ ذٰلِكَ فِيْهِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهٗ مَنْ هَلَكَ بِخَطَاهُ فِيْ أَمْرِ مَعْرِفَةِ اللهِ تَعَالٰى أَوِ اتَّخَذَ إِلٰهًا غَيْرَهٗ فَقَدْ هَلَكَ مِنْ زَفْضِ رِعَايَةِ كَمَالَاتِهٖ وَ تَرْكِ التَّأَنِّيْ فِيْ عَجَآئِبَاتِهٖ وَالْغَفْلَةِ عَمَّا يَلِيْقُ بِذَاتِهٖ كَمَا هُوَ عَادَةُ الْمُبْطِلِيْنَ. أَلَا تَنْظُرُ إِلَى النَّصَارٰى أَنَّهُمْ دُعُوْا إِلَى التَّوْحِيْدِ فَمَا أَهْلَكَهُمْ إِلَّا هٰذِهِ الْعِلَّةُ وَ سَوَّلَتْ لَهُمُ النَّفْسُ الْمُضِلَّةُ وَ الشَّهْوَةُ الْمُزِلَّةُ أَنِ اتَّخَذُوْا عَبْدًا إِلٰهًا وَارْتَضَعُوْا عُقَارَ الضَّلَالَةِ وَ الْجَهَالَةِ وَنَسُوْا كَمَالَ اللهِ تَعَالٰى وَ مَا يَجِبُ لِذَاتِهٖ وَنَحَتُوْا لِلّٰهِ الْبَنَاتِ وَ الْبَنِيْنَ. وَلَوْ أَنَّهُمْ أَمْعَنُوْا أَنْظَارَهُمْ فِيْ صِفَاتِ اللهِ تَعَالٰى وَمَا يَلِيْقُ لَهٗ مِنَ الْكَمَالَاتِ لَمَا أَخْطَأَ تَوَسُّمُهُمْ وَمَا كَانُوْا مِنَ الْهَالِكِيْنَ. فَأَشَارَ اللهُ تَعَالٰى هٰهُنَا أَنَّ الْقَانُوْنَ الْعَاصِمَ مِنَ الْخَطَأِ فِيْ مَعْرِفَةِ الْبَارِيْ عَزَّ اسْمُهٗ إِمْعَانُ النَّظَرِ فِيْ كَمَالَاتِهٖ وَتَتَبُّعُ

اور اس کے ساتھ ہی الحمدللہ میں ایک یہ اشارہ بھی ہے کہ جو معرفت باری تعالیٰ کے معاملہ میں اپنے بداعمال سے ہلاک ہوا یا اس کے سوا کسی اور کو معبود بنالیا تو سمجھو کہ وہ شخص خدا تعالیٰ کے کمالات کی طرف سے اپنی توجہ پھیر لینے، اس کے عجائبات کا نظارہ نہ کرنے اور جو امور اس کی شایانِ شان ہیں ان سے باطل پرستوں کی طرح غفلت برتنے کے نتیجہ میں ہلاک ہوگیا۔ کیا تُو نصاریٰ کو نہیں دیکھتا کہ انہیں توحید کی دعوت دی گئی تو انہیں اسی بیماری نے ہلاک کیا اور ان کے گمراہ کرنے والے نفس اور پھسلا دینے والی خواہشات نے ان کے لئے (یہ گمراہ کن) خیال خوبصورت کرکے دکھا دیا اور انہوں نے ایک (عاجز) بندے کو خدا بنالیا اور گمراہی اور جہالت کی شراب پی لی۔ اللہ تعالیٰ کے کمال اور اس کی صفاتِ ذاتیہ کو بھول گئے اور اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے شایانِ شان کمالات پر گہری نظر ڈالتے تو ان کی عقل خطا نہ کرتی اور وہ ہلاک ہونے والوں میں سے نہ ہوجاتے۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ جَلَّ شانہٗ کی معرفت کے بارہ میں غلطی سے بچانے والا قانون یہ ہے کہ اس کے کمالات میں پورا غور کیا جائے اور اس کی ذات کے

صِفَاتٍ تَلِيقُ بِذَاتِهِ وَ تَذْكُرُ مَا هُوَ أَوْلَى مِنْ جَدْوَى وَأَحْرَى مِنْ عَدْوَى وَ تَصَوُّرُ مَا أَثْبَتَ بِأَفْعَالِهِ مِنْ قُوَّتِهِ وَ حَوْلِهِ وَ قَهْرِهِ وَطَوْلِهِ فَاحْفَظْهُ وَلَا تَكُنْ مِنَ اللَّاهِينَ.

لائق صفات کی جستجو کی جائے اور ان صفات کا ورد کیا جائے جو ہر مادی عطیہ سے بہتر اور ہر مدد سے مناسب تر ہیں اور اس نے اپنے کاموں سے جو صفات ثابت کی ہیں یعنی اس کی قوت اس کی طاقت اس کا غلبہ اور اس کی سخاوت کا تصور کیا جائے۔ پس اس بات کو یاد رکھو اور لاپروا مت بنو۔

وَ اعْلَمْ أَنَّ الرُّبُوبِيَّةَ كُلَّهَا لِلَّهِ وَالرَّحْمَانِيَّةَ كُلَّهَا لِلَّهِ وَالرَّحِيمِيَّةَ كُلَّهَا لِلَّهِ وَالْحُكْمَ فِي يَوْمِ الْمَجَازَاةِ كُلَّهُ لِلَّهِ فَإِيَّاكَ وَتَأْبِيكَ مِنْ مُطَاوَعَةِ مُرَبِّيكَ وَكُنْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ الْمُوَحِّدِينَ. وَأَشَارَ فِي الْآيَةِ إِلَى أَنَّهُ تَعَالَى مُنَزَّهٌ مِنْ تَجَدُّدِ صِفَةٍ وَحُؤُولِ حَالَةٍ وَلُحُوقِ وَصْمَةٍ وَ حَوْرٍ بَعْدَ كَوْرٍ بَلْ قَدْ ثَبَتَ الْحَمْدُ لَهُ أَوَّلًا وَ آخِرًا وَ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا إِلَى أَبَدِ الْآبِدِينَ. وَ مَنْ قَالَ خِلَافَ ذَلِكَ فَقَدِ احْرَوْرَفَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ.

اور جان لو کہ ربوبیت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے۔ اور رحمانیت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے۔ اور رحیمیت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے اور جزا سزا کے دن کامل حکومت اللہ کے لئے ہے پس اے مخاطب اپنے پرورش کنندہ کی اطاعت سے انکار نہ کر اور موحد مسلمانوں میں سے بن جا۔ پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ (پہلی صفت کے زوال کے بعد) کسی نئی صفت کو اختیار کرنے اور اپنی شان کے تبدیل ہونے اور کسی عیب کے لاحق ہونے اور نقص کے بعد خوبی کے پانے سے پاک ہے۔ بلکہ اس کے لئے اوّل و آخر اور ظاہر و باطن میں ابدالآباد تک حمد ثابت ہے۔ اور جو اس کے خلاف کہے وہ حق سے برگشتہ ہو کر کافروں میں سے ہو گیا۔

وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ رَدٌّ عَلَى النَّصَارٰى وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ فَإِنَّهُمْ لَا يُوَفُّونَ اللّٰهَ حَقَّهُ وَلَا يَرْجُونَ لَهُ بَرْقَهُ بَلْ يُغْدِفُونَ عَلَيْهِ سِتَارَةَ الظَّلَامِ وَيُلْقُونَهُ فِي سُبُلِ الْآلَامِ يُبْعِدُونَهُ مِنَ الْكَمَالِ التَّامِّ وَيُشْرِكُونَ بِهِ

آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہ آیت نصاریٰ اور بت پرستوں کی تردید کرتی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق پوری طرح ادا نہیں کرتے اور اس کی روشنی کے پھیلنے کی امید نہیں رکھتے بلکہ اس پر اندھیرے کا پردہ پھیلا دیتے ہیں۔ اور اس کو دکھوں کی راہوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اس کو پورے کمال سے دور رکھتے ہیں۔ اور مخلوق میں سے ایک کثیر حصہ کو اس کا شریک

كَثِيْرًا مِّنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ. فَهٰذَا هُوَ الظَّنُّ الَّذِيْ أَرْدَاهُمْ وَ التَّقْلِيْدُ الَّذِيْ أَبَادَهُمْ وَأَهْلَكَهُمْ بِمَا عَوَّلُوْا عَلٰى أَقْوَالِ الْمُفْتَرِيْنَ وَ زَعَمُوْا أَنَّهُمْ مِنَ الصَّادِقِيْنَ. وَ قَالُوْا إِنَّ هٰذِهِ فِي الْآثَارِ الْمُنْتَقَاةِ الْمُدَوَّنَةِ عَنِ الثِّقَاتِ وَمَا تَوَجَّهُوْا إِلٰى عَثَرَاتِ اٰبَائِهِمْ وَجَهْلِ عُلَمَآئِهِمْ وَ تَكْثِيْرِيْقِهِمْ وَتَغْرِيْرِهِمْ مِنْ مَّرَاكِزِ تَعَالِيْمِ النَّبِيِّيْنَ وَتَيْهِهِمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ هَآئِمِيْنَ. وَالْعَجَبُ مِنْ فَهْمِهِمْ وَ عَقْلِهِمْ أَنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ أَنَّ اللهَ كَامِلٌ تَامٌّ لَّا يَجُوْزُ فِيْهِ نَقْصٌ وَّشُنْعَةٌ وَّشُحُوْبٌ وَذُهُوْلٌ وَّ تَغَيُّرٌ وَّحُؤُوْلٌ ثُمَّ يُجَوِّزُوْنَ فِيْهِ كَثِيْرًا مِّنْهَا وَيَنْسِبُوْنَ إِلَيْهِ كُلَّ شَقْوَةٍ وَّخُسْرَانٍ وَّعَيْبٍ وَّنُقْصَانٍ وَّ يُكَذِّبُوْنَ مَا كَانُوْا صَدَّقُوْهُ أَوَّلًا وَّيَهْذُوْنَ كَالْمَجَانِيْنِ.

وَفِيْ لَفْظِ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" تَعْلِيْمٌ لِّلْمُسْلِمِيْنَ أَنَّهُمْ إِذَا سُئِلُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ مَنْ إِلٰهُكُمْ فَوَجَبَ عَلَى الْمُسْلِمِ أَنْ يُّجِيْبَهُ أَنَّ إِلٰهِيَ الَّذِيْ لَهُ الْحَمْدُ كُلُّهُ وَمَا مِنْ نَوْعِ كَمَالٍ وَّ قُدْرَةٍ إِلَّا وَ لَهُ ثَابِتٌ فَلَا تَكُنْ مِّنَ النَّاسِيْنَ. وَلَوْ لَاحَظَ

قرار دیتے ہیں۔ پس یہ ایسا غلط خیال ہے جس نے ان کو ہلاک کر دیا ہے۔ اور وہ اندھی تقلید ہے جس نے ان کو برباد کر دیا ہے۔ مفتریوں کے اقوال پر بھروسہ کرنے نے ان کو ہلاک کر دیا اور انہوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ وہ سچے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں احادیث کی منتخب مدوّن کتابوں میں ثقہ راویوں سے درج ہیں۔ انہوں نے اپنے آباء کے ٹھوکریں کھانے اور اپنے علماء کے ناواقف ہونے اور ان کے انبیاء کی تعلیموں کے مراکز سے مشرق و مغرب کی طرح دور اور ہر وادی میں حیران و پریشان بھٹکنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ اُن کے عقل و فہم پر تعجب ہے کہ وہ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پوری طرح کامل ہے اس میں کسی کمی یا قباحت یا میلا پن یا فروگذاشت یا تغیر و تبدل کا کوئی جواز نہیں۔ پھر وہ اس میں بہت سی ایسی باتوں کو روا رکھتے ہیں اور اس کی طرف ہر بدبختی، گھاٹے، عیب اور نقصان کو منسوب کرتے ہیں اور اس بات کی خود ہی تکذیب کر رہے ہیں جس کی انہوں نے پہلے تصدیق کی تھی اور پاگلوں کی طرح بکواس کرتے رہتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے الفاظ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب اُن سے سوال کیا جائے اور اُن سے پوچھا جائے کہ اُن کا معبود کون ہے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ یہ جواب دے کہ میرا معبود وہ ہے جس کے لئے سب حمد ہے اور کسی قسم کا کوئی کمال اور قدرت ایسی نہیں مگر وہ اس کے لئے ثابت ہے۔ پس تو بھولنے والوں میں سے نہ بن۔

الْمُشْرِكِيْنَ حَظُّ الْإِيْمَانِ وَ أَصَابَهُمْ طَلٌّ مِّنَ الْعِرْفَانِ لَمَا طَاحَ بِهِمْ ظَنُّ السَّوْءِ بِالَّذِيْ هُوَ قَيُّوْمُ الْعَالَمِيْنَ. وَلٰكِنَّهُمْ حَسِبُوْهُ كَرَجُلٍ شَاخَ بَعْدَ الشَّبَابِ وَاحْتَاجَ بَعْدَ صَمَدِيَّتِهٖ إِلَى الْأَسْبَابِ وَ وَقَعَتْ عَلَيْهِ شَدَآئِدُ مُحُوْلٌ وَقُحُوْلٌ وَ قَشْفٌ مُحُوْلٌ وَوَقَعَ فِي الْاَتْرَابِ بَلْ قَرُبَ مِنَ التَّبَابِ وَكَانَ مِنَ الْمُتْرَبِيْنَ.

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۰۶ تا ۱۱۰)

اگر مشرکوں پر ایمان کی کچھ بھی جھلک پڑ جاتی اور ان پر عرفان کی ہلکی سی بارش بھی ہو جاتی تو انہیں قیومِ عالمین پر بدظنی کرنا تباہ نہ کرتا۔ لیکن انہوں نے خدا تعالیٰ کو ایسے شخص کی مانند سمجھ لیا جو جوانی کے بعد بوڑھا ہو گیا ہو اور اپنی بے نیازی کے بعد محتاج ہو گیا ہو اس پر بڑھاپا اور لاغری کی مصیبتیں اور قحط کی سختیاں وارد ہوئی ہوں اور وہ مٹی میں مل گیا بلکہ تباہی کے کنارے جا لگا ہو اور بالکل محتاج ہو گیا ہو۔ (ترجمہ از مرتب)

اس سورۃ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کیا گیا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک حمد اور تعریف اس ذات کے لئے مسلّم ہے جس کا نام اللہ ہے۔ اور اس فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے اس لئے شروع کیا گیا کہ اصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت رُوح کے جوش اور طبیعت کی کشش سے ہو اور ایسی کشش جو عشق اور محبت سے بھری ہوئی ہو ہرگز کسی کی نسبت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ وہ شخص ایسی کامل خوبیوں کا جامع ہے جن کے ملاحظہ سے بے اختیار دل تعریف کرنے لگتا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ کامل تعریف دو قسم کی خوبیوں کے لئے ہوتی ہے۔ ایک کمال حُسن اور ایک کمال احسان اور اگر کسی میں دونوں خوبیاں جمع ہوں تو پھر اُس کے لئے دل فدا اور شیدا ہو جاتا ہے۔ اور قرآن شریف کا بڑا مطلب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی دونوں قسم کی خوبیاں حق کے طالبوں پر ظاہر کرے تا اُس بے مثل و مانند ذات کی طرف لوگ کھینچے جائیں اور رُوح کے جوش اور کشش سے اُس کی بندگی کریں۔ اس لئے پہلی سورۃ میں ہی یہ نہایت لطیف نقشہ دکھلانا چاہا ہے کہ وہ خدا جس کی طرف قرآن بُلاتا ہے وہ کیسی خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔ سو اسی غرض سے اس سورۃ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کیا گیا جس کے یہ معنے ہیں کہ سب تعریفیں اس کی ذات کے لئے لائق ہیں جس کا نام اللہ ہے۔ اور قرآن کی اصطلاح کی رُو سے اللہ اُس ذات کا نام ہے جس کی تمام خوبیاں حُسن و احسان کے کمال کے نقطہ پر پہنچی ہوئی ہوں اور کوئی نقصت اُس کی ذات میں نہ ہو۔ قرآن شریف میں تمام صفات کا موصوف صرف اللہ کے اسم کو ہی ٹھہرایا ہے تا اِس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اللہ کا اسم تب متحقق ہوتا ہے کہ جب تمام صفات کاملہ اس میں

پائی جائیں۔ پس جبکہ ہر ایک قسم کی خوبی اُس میں پائی گئی تو حسن اس کا ظاہر ہے۔ اِسی حُسن کے لحاظ سے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا نام نور ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (النور:۳۶) یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نُور ہے۔ ہر ایک نور اُسی کے نور کا پرتَو ہے۔ اور احسان کی خوبیاں اللہ تعالیٰ میں بہت ہیں جن میں سے چار بطور اصل الاصول ہیں اور ان کی ترتیب طبعی کے لحاظ سے پہلی خوبی وہ ہے جس کو سورہ فاتحہ میں رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ربوبیّت یعنی پیدا کرنا اور کمال مطلوب تک پہنچانا تمام عالموں میں جاری و ساری ہے یعنی عالمِ سماوی اور عالمِ ارضی اور عالمِ اجسام اور عالمِ ارواح اور عالمِ جواہر اور عالمِ اعراض اور عالمِ حیوانات اور عالمِ نباتات اور عالم جمادات اور دوسرے تمام قسم کے عالم اس کی ربوبیت سے پرورش پا رہے ہیں یہاں تک کہ خود انسان پر ابتدا نطفہ ہونے کی حالت سے یا اس سے پہلے بھی جو جو عالم موت تک یا دوسری زندگی کے زمانہ تک آتے ہیں وہ سب چشمہ ربوبیت سے فیض یافتہ ہیں۔ پس ربوبیت الٰہی بوجہ اس کے کہ وہ تمام ارواح و اجسام و حیوانات و نباتات و جمادات وغیرہ پر مشتمل ہے فیضانِ اَعَمّ سے موسوم ہے کیونکہ ہر ایک موجود اس سے فیض پاتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہر ایک چیز وجود پذیر ہے ہاں البتہ ربوبیتِ الٰہی اگرچہ ہر ایک موجود کی موجد اور ہر ایک ظہور پذیر چیز کی مربی ہے لیکن بحیثیت احسان کے سب سے زیادہ فائدہ اس کا انسان کو پہنچتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی تمام مخلوقات سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اِس لئے انسان کو یاد دلایا گیا ہے کہ تمہارا خدا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے تا انسان کی اُمید زیادہ ہو اور یقین کرے کہ ہمارے فائدہ کے لئے خدا تعالیٰ کی قدرتیں وسیع ہیں اور طرح طرح کے عالمِ اسباب ظہور میں لا سکتا ہے۔ دوسری خوبی خدا تعالیٰ کی جو دوسرے درجہ کا احسان ہے جس کو فیضانِ عام سے موسوم کر سکتے ہیں رحمانیت ہے جس کو سورۃ فاتحہ میں الرَّحْمٰنِ کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن شریف کی اصطلاح کی رُو سے خدا تعالیٰ کا نام رحمٰن اس وجہ سے ہے کہ اُس نے ہر ایک جاندار کو جن میں انسان بھی داخل ہے اُس کے مناسب حال صورت اور سیرت بخشی یعنی جس طرز کی زندگی اس کے لئے ارادہ کی گئی اس زندگی کے مناسب حال جن قوتوں اور طاقتوں کی ضرورت تھی یا جس قسم کی بناوٹ جسم اور اعضاء کی حاجت تھی وہ سب اس کو عطا کئے اور پھر اس کی بقا کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ اس کے لئے مہیا کیں۔ پرندوں کے لئے پرندوں کے مناسب حال اور چرندوں کے لئے چرندوں کے مناسب حال اور انسان کے لئے انسان کے مناسب حال طاقتیں عنایت کیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ان

چیزوں کے وجود سے ہزار ہا برس پہلے بوجہ اپنی صفتِ رحمانیت کے اجرام سماوی وارضی کو پیدا کیا تا وہ ان چیزوں کے وجود کی محافظ ہوں۔ پس اِس تحقیق سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت میں کسی کے عمل کا دخل نہیں بلکہ وہ رحمتِ محض ہے جس کی بنیاد ان چیزوں کے وجود سے پہلے ڈالی گئی۔ ہاں انسان کو خدا تعالیٰ کی رحمانیت سے سب سے زیادہ حصّہ ہے کیونکہ ہر ایک چیز اس کی کامیابی کے لئے قربان ہو رہی ہے اس لئے انسان کو یاد دلایا گیا کہ تمہارا خدا رحمٰن ہے۔

تیسری خوبی خدا تعالیٰ کی جو تیسرے درجہ کا احسان ہے رحیمیّت ہے جس کو سورہ فاتحہ میں الرَّحِیْمِ کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن شریف کی اصطلاح کے رُو سے خدا تعالیٰ رحیم اس حالت میں کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دُعا اور تضرّع اور اعمالِ صالحہ کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں اور تضییع اعمال سے ان کو محفوظ رکھتا ہے۔ یہ احسان دوسرے لفظوں میں فیض خاص سے موسوم ہے اور صرف انسان کی نوع سے مخصوص ہے۔ دوسری چیزوں کو خدا نے دُعا اور تضرّع اور اعمالِ صالحہ کا ملکہ نہیں دیا مگر انسان کو دیا ہے۔ انسان حیوانِ ناطق ہے اور اپنی نُطق کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کا فیض پا سکتا ہے۔ دوسری چیزوں کو نُطق عطا نہیں ہوا۔ پس اس جگہ سے ظاہر ہے کہ انسان کا دُعا کرنا اس کی انسانیت کا ایک خاصہ ہے جو اس کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات ربوبیت اور رحمانیت سے فیض حاصل ہوتا ہے اسی طرح صفتِ رحیمیت سے بھی ایک فیض حاصل ہوتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ ربوبیت اور رحمانیت کی صفتیں دُعا کو نہیں چاہتیں کیونکہ وہ دونوں صفات انسان سے خصوصیت نہیں رکھتیں اور تمام پرند چرند کو اپنے فیض سے مستفیض کر رہی ہیں بلکہ صفتِ ربوبیت تو تمام حیوانات اور نباتات اور جمادات اور اجرامِ ارضی اور سماوی کو فیض رسان ہے اور کوئی چیز اُس کے فیض سے باہر نہیں۔ برخلاف صفتِ رحیمیت کے کہ وہ انسان کے لئے ایک خلعتِ خاصہ ہے۔ اور اگر انسان ہو کر اس صفت سے فائدہ نہ اٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے فیض رسانی کی چار صفت اپنی ذات میں رکھی ہیں اور رحیمیّت کو جو انسان کی دُعا کو چاہتی ہے خاص انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ میں ایک قسم کا وہ فیض ہے جو دُعا کرنے سے وابستہ ہے اور بغیر دُعا کے کسی طرح مل نہیں سکتا۔ یہ سنّت اللہ اور قانونِ الٰہی ہے جس میں تخلّف جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اپنی اپنی اُمتوں کے لئے ہمیشہ دُعا مانگتے رہے۔ توریت میں دیکھو کہ کتنی دفعہ

بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کو ناراض کر کے عذاب کے قریب پہنچ گئے اور پھر کیونکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا اور تضرّع اور سجدہ سے وہ عذاب ٹل گیا حالانکہ بار بار وعدہ بھی ہوتا رہا کہ مَیں ان کو ہلاک کروں گا۔

اب اِن تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ دُعا محض لغو امر نہیں ہے اور نہ صرف ایسی عبادت جس پر کسی قسم کا فیض نازل نہیں ہوتا۔ یہ ان لوگوں کے خیال ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کا وہ قدر نہیں کرتے جو حق قدر کرنے کا ہے اور نہ خدا کی کلام کو نظرِ عمیق سے سوچتے ہیں اور نہ قانونِ قدرت پر نظر ڈالتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دُعا پر ضرور فیض نازل ہوتا ہے جو ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اِسی کا نام فیض رحیمیّت ہے جس سے انسان ترقی کرتا جاتا ہے۔ اِسی فیض سے انسان ولایت کے مقامات تک پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایسا یقین لاتا ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ مسئلہ شفاعت بھی صفتِ رحیمیت کی بناء پر ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحیمیّت نے ہی تقاضا کیا کہ اچھے آدمی بُرے آدمیوں کی شفاعت کریں۔

چوتھا احسان خدا تعالیٰ کا جو قسم چہارم کی خوبی ہے جس کو فیضانِ اَخَصّ سے موسوم کر سکتے ہیں مالکیّت یوم الدّین ہے جس کو سورۃ فاتحہ میں فقرہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں بیان فرمایا گیا ہے اور اس میں اور صفتِ رحیمیت میں یہ فرق ہے کہ رحیمیّت میں دُعا اور عبادت کے ذریعہ سے کامیابی کا استحقاق قائم ہوتا ہے اور صفت مالکیّت یوم الدّین کے ذریعہ سے وہ ثمرہ عطا کیا جاتا ہے۔ اِس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ایک انسان گورنمنٹ کا ایک قانون یاد کرنے میں محنت اور جدوجہد کر کے امتحان دے اور پھر اس میں پاس ہو جائے۔ پس رحیمیّت کے اثر سے کسی کامیابی کے لئے استحقاق پیدا ہو جانا پاس ہو جانے سے مشابہ ہے اور پھر وہ چیز یا وہ مرتبہ میسّر آ جانا جس کے لئے پاس ہوا تھا اس حالت سے مشابہ انسان کے فیض پانے کی وہ حالت ہے جو پَرتَو صفت مالکیّت یوم الدین سے حاصل ہوتی ہے۔ ان دونوں صفتوں رحیمیّت اور مالکیّت یوم الدّین میں یہ اشارہ ہے کہ فیض رحیمیّت خدا تعالیٰ کے رحم سے حاصل ہوتا ہے۔ اور فیض مالکیّت یوم الدّین خدا تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اور مالکیّت یوم الدین اگرچہ وسیع اور کامل طور پر عالَم مَعاد میں متجلّی ہوگی مگر اس عالم میں بھی اس عالم کے دائرہ کے موافق یہ چاروں صفتیں تجلّی کر رہی ہیں۔ ربوبیت عام طور پر ایک فیض کی بناڈالتی ہے اور رحمانیت اس فیض کو جانداروں میں کھلے طور پر دکھلاتی ہے اور رحیمیّت ظاہر کرتی ہے کہ مخطمتہ فیض کا انسان پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور انسان وہ جانور ہے جو فیض کو نہ صرف حال سے بلکہ منہ سے مانگتا ہے اور مالکیّت یوم الدّین فیض کا آخری ثمرہ بخشتی ہے۔ یہ چاروں صفتیں دنیا میں ہی کام کر رہی ہیں مگر چونکہ دُنیا کا

دائرہ نہایت تنگ ہے اور نیز جہل اور بے خبری اور کم نظری انسان کے شاملِ حال ہے اس لئے یہ نہایت وسیع دائرے صفاتِ اربعہ کے اس عالم میں ایسے چھوٹے نظر آتے جیسے بڑے بڑے گولے ستاروں کے دُور سے صرف نقطے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن عالم معاد میں پورا نظارہ ان صفاتِ اربعہ کا ہوگا۔ اس لئے حقیقی اور کامل طور پر یوم الدّین وہی ہوگا جو عالمِ معاد ہے۔ اُس عالم میں ہر ایک صفت ان صفاتِ اربعہ میں سے دوہری طور پر اپنی شکل دکھائے گی یعنی ظاہری طور پر اور باطنی طور پر اس لئے اس وقت یہ چار صفتیں آٹھ صفتیں معلوم ہوں گی۔ اِسی کی طرف اشارہ ہے جو فرمایا گیا ہے کہ اِس دنیا میں چار فرشتے خدا تعالیٰ کا عرش اُٹھا رہے ہیں اور اُس دن آٹھ فرشتے خدا تعالیٰ کا عرش اٹھائیں گے۔ یہ استعارہ کے طور پر کلام ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی ہر صفت کے مناسب حال ایک فرشتہ بھی پیدا کیا گیا ہے اس لئے چار صفات کے متعلق چار فرشتے بیان کئے گئے۔ اور جب آٹھ صفات کی تجلّی ہوگی تو اُن صفات کے ساتھ آٹھ فرشتے ہوں گے۔ اور چونکہ یہ صفات الوہیت کی ماہیّت کو ایسا اپنے پر لئے ہوئے ہیں کہ گویا اُس کو اُٹھا رہے ہیں اس لئے استعارہ کے طور پر اُٹھانے کا لفظ بولا گیا ہے۔ ایسے اِستعارات لطیفہ خدا تعالیٰ کی کلام میں بہت ہیں جن میں رُوحانیت کو جسمانی رنگ میں دکھایا گیا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ میں یہ چار صفاتِ عظیمہ ہیں جن پر ہر ایک مسلمان کو ایمان لانا چاہیے اور جو شخص دُعا کے ثمرات اور فیوض سے انکار کرتا ہے گویا وہ بجائے چار صفتوں کے صرف تین صفتوں کو مانتا ہے۔ (ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۷ تا ۲۵۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی تمام محامد اور تمام کمالات اور تمام تعریفیں اور تمام بزرگیاں اور خوبیاں جو مرتبہ جلیلہ خدائی کے لئے ضروری ہیں وہ سب اللہ جلّ شانہٗ کو حاصل اور اس کی ذات میں جمع ہیں جس کی ایجاد کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوئی اور وہ تمام عالمین کا ربّ اور پیدا کنندہ ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۲۱۸، ۲۱۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے قرآن شریف اسی لئے شروع کیا گیا ہے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی طرف ایما ہو۔ (الحکم نمبر ۶ جلد ۵ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

حمد ہی سے محمد اور احمد نکلا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے گویا حمد کے دو مظہر ہوئے۔ (الحکم نمبر ۳ جلد ۵ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۳، ۴)

تمام محامد جو عالم میں موجود ہیں اور مصنوعات میں پائی جاتی ہیں۔ وہ حقیقت میں خدا کی ہی تعریفیں ہیں

اور اسی کی طرف راجع ہیں کیونکہ جو خوبی مصنوع میں ہوتی ہے وہ حقیقت میں صانع کی ہی خوبی ہے یعنی آفتاب دنیا کو روشن نہیں کرتا حقیقت میں خدا ہی روشن کرتا ہے اور چاند رات کی تاریکی نہیں اٹھاتا حقیقت میں خدا ہی اٹھاتا ہے اور بادل پانی نہیں برساتا حقیقت میں خدا ہی برساتا ہے اسی طرح جو ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے ہی بینائی ہے اور جو کان سنتے ہیں وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے ہی شنوائی ہے اور جو عقل دریافت کرتی ہے وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے ہی دریافت ہے اور جو کچھ آسمان کے اور زمین کے عناصر اوصاف جمیلہ دکھا رہے ہیں اور ایک خوبصورتی اور تروتازگی جو مشہود ہو رہی ہے حقیقت میں وہ اسی صانع کی صفت ہے جس نے کمال اپنی صفت کاملہ سے ان چیزوں کو پایا ہے اور پھر بنانے پر ہی انحصار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ ایک رحمت شامل رکھی ہے جس رحمت سے اس کا بقا اور وجود ہے اور پھر صرف اسی پر اختصار نہیں کیا بلکہ ایک چیز کو اپنے کمال اعلیٰ تک پہنچاتا ہے۔ جس سے قدر و قیمت اس شے کی کھل جاتی ہے پس حقیقت میں محسن اور منعم بھی وہی ہے اور جامع تمام خوبیوں کا بھی وہی ہے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۱ مورخہ ۲۴ رجون ۱۹۰۴ صفحہ ۱۵)

سورۃ الفاتحہ پر جو قرآن شریف کا باریک نقشہ ہے اور ام الکتاب بھی جس کا نام ہے خوب غور کرو کہ اس میں اجمال کے ساتھ قرآن کریم کے تمام معارف درج ہیں چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے اس کو شروع کیا گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ تمام محامد اللہ ہی کے لئے ہیں اس میں یہ تعلیم ہے کہ تمام منافع اور تمدنی زندگی کی ساری بہبودگیاں اللہ ہی کی طرف سے آتی ہیں کیونکہ ہر قسم کی ستائش کا سزاوار جب کہ وہی ہے تو معطی حقیقی بھی وہی ہو سکتا ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ کسی قسم کی تعریف و ستائش کا مستحق وہ نہیں بھی ہے جو کفر کی بات ہے پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں کیسی توحید کی جامع تعلیم پائی جاتی ہے جو انسان کو دنیا کی تمام چیزوں کی عبودیت اور بالذات نفع رساں نہ ہونے کی طرف لے جاتی ہے اور واضح اور بیّن طور پر یہ ذہن نشین کرتی ہے کہ ہر نفع اور سود حقیقی اور ذاتی طور پر خدا تعالیٰ کی ہی طرف سے آتا ہے کیونکہ تمام محامد اُسی کے لئے سزاوار ہیں۔ پس ہر نفع اور سود میں خدا تعالیٰ ہی کو مقدم کرو۔ اُس کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے اگر خلاف ہو تو اولاد بھی دشمن ہو سکتی ہے اور ہو جاتی ہے۔ (الحکم نمبر ۳۲ جلد ۵ مورخہ ۳۱ راگست ۱۹۰۱ صفحہ ۱)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ مالک ہے جزاء کے دن کا۔ دہریہ اس کے مخالف ہیں جو کہتے ہیں کوئی جزا سزا نہیں۔ صفت رحیمیت سے انکار کرنے والے تو پھر لاپرواہی سے عمل نہیں کرتے اور یہ خدا کے وجود سے منکر ہیں۔ اس لئے عمداً اعمالِ صالحہ کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ (البدر نمبر ۱ جلد ۷ مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)

اس جگہ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفتیں بیان فرمائیں۔ یعنی ربّ[1] العالمین۔ رحمان[2]۔ رحیم[3]۔ مالک یوم الدین[4]۔ اور ان ہر چہار صفتوں میں سے رَبُّ العالمین کو سب سے مقدم رکھا اور پھر بعد اس کے صفت رحمان کو ذکر کیا۔ پھر صفت رحیم کو بیان فرمایا۔ پھر سب کے اخیر صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو لائے۔ پس سمجھنا چاہئے کہ یہ ترتیب خدائے تعالیٰ نے کیوں اختیار کی۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ ان صفاتِ اربعہ کی ترتیب طبعی یہی ہے اور اپنی واقعی صورت میں اسی ترتیب سے یہ صفتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا پر خدا کا چار طور پر فیضان پایا جاتا ہے۔ جو غور کرنے سے ہر یک عاقل اس کو سمجھ سکتا ہے۔

پہلا فیضان فیضان اعم ہے۔ یہ وہ فیضانِ مطلق ہے کہ جو بلاتمیز ذی روح وغیر ذی روح افلاک سے لے کر خاک تک تمام چیزوں پر علی الاتصال جاری ہے اور ہر یک چیز کا عدم سے صورت وجود پکڑنا اور پھر وجود کا حد کمال تک پہنچنا اسی فیضان کے ذریعہ سے ہے۔ اور کوئی چیز جاندار ہو یا غیر جاندار اس سے باہر نہیں۔ اسی سے وجود تمام ارواح واجسام ظہور پذیر ہوا اور ہوتا ہے اور ہر یک چیز نے پرورش پائی اور پاتی ہے۔ یہی فیضان تمام کائنات کی جان ہے اگر ایک لحہ منقطع ہو جائے تو تمام عالم نابود ہو جائے۔ اور اگر نہ ہوتا تو مخلوقات میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ اس کا نام قرآن شریف میں ربوبیت ہے۔ اور اسی کی رو سے خدا کا نام ربّ العالمین ہے۔ جیسا کہ اس نے دوسری جگہ بھی فرمایا ہے وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔ (الانعام: ۱۶۵) یعنی خدا ہر یک چیز کا ربّ ہے۔ اور کوئی چیز عالم کی چیزوں میں سے اس کی ربوبیت میں سے باہر نہیں سو خدا نے سورۃ فاتحہ میں سب صفات فیضانی میں سے پہلے صفت ربّ العالمین کو بیان فرمایا اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہ اس لئے کہا کہ سب فیضانی صفتوں میں سے تقدم طبعی صفت ربوبیت کو حاصل ہے یعنی ظہور کے رو سے بھی صفت مقدم الظہور اور تمام صفات فیضانی سے اعم ہے کیونکہ ہر یک چیز پر خواہ جاندار ہو خواہ غیر جاندار مشتمل ہے۔

پھر دوسرا قسم فیضان کا جو دوسرے مرتبہ پر واقعہ ہے فیضانِ عام ہے۔ اس میں اور فیضانِ اعم میں یہ فرق

ہے کہ فیضانِ اُمّ تو ایک عام ربوبیت ہے جس کے ذریعہ سے کل کائنات کا ظہور اور وجود ہے اور یہ فیضان جس کا نام فیضانِ عام ہے۔ یہ ایک خاص عنایت ازلیہ ہے جو جانداروں کے حال پر مبذول ہے یعنی ذی روح چیزوں کی طرف حضرت باری کی جو ایک خاص توجہ ہے اس کا نام فیضانِ عام ہے۔ اور اس فیضان کی یہ تعریف ہے کہ یہ بلا استحقاق اور بغیر اس کے کہ کسی کا کچھ حق ہو سب ذی روحوں پر حسب حاجت ان کے جاری ہے۔ کسی کے عمل کا پاداش نہیں۔ اور اسی فیضان کی برکت سے ہر یک جاندار جیتا، جاگتا، کھاتا، پیتا اور آفات سے محفوظ اور ضروریات سے متمتع نظر آتا ہے اور ہر یک ذی روح کے لئے تمام اسباب زندگی کے جو اس کے لئے یا اس کے نوع کے بقا کے لئے مطلوب ہیں میسر نظر آتے ہیں اور یہ سب آثار اسی فیضان کے ہیں کہ جو کچھ روحوں کو جسمانی تربیت کے لئے درکار ہے سب کچھ دیا گیا ہے اور ایسا ہی جن روحوں کو علاوہ جسمانی تربیت کے روحانی تربیت کی بھی ضرورت ہے یعنی روحانی ترقی کی استعداد رکھتے ہیں۔ ان کے لئے قدیم سے عین ضرورتوں کے وقتوں میں کلام الٰہی نازل ہوتا رہا ہے۔ غرض اسی فیضانِ رحمانیت کے ذریعہ سے انسان اپنی کروڑہا ضروریات پر کامیاب ہے۔ سکونت کے لئے سطحِ زمین، روشنی کے لئے چاند اور سورج، دم لینے کے لئے ہوا، پینے کے لئے پانی، کھانے کے لئے انواع اقسام کے رزق اور علاج امراض کے لئے لاکھوں طرح کی ادویہ اور پوشاک کے لئے طرح طرح کی پوشیدنی چیزیں اور ہدایت پانے کے لئے صُحفِ ربانی موجود ہیں اور کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ تمام چیزیں میرے عملوں کی برکت سے پیدا ہو گئیں ہیں اور میں نے ہی کسی پہلے جنم میں کوئی نیک عمل کیا تھا جس کی پاداش میں یہ بے شمار نعمتیں خدا نے بنی آدم کو عنایت کیں۔ پس ثابت ہے کہ یہ فیضان جو ہزارہا طور پر ذی روحوں کے آرام کے لئے ظہور پذیر ہو رہا ہے یہ عطیہ بلا استحقاق ہے جو کسی عمل کے عوض میں نہیں فقط ربانی رحمت کا ایک جوش ہے تا ہر یک جاندار اپنے فطرتی مطلوب کو پہنچ جائے اور جو کچھ اس کی فطرت میں حاجتیں ڈالی گئیں وہ پوری ہو جائیں۔ پس اس فیضان میں عنایتِ ازلیہ کا کام یہ ہے کہ انسان اور جمیع حیوانات کی ضروریات کا تعہد کرے اور ان کی بالیست اور نابالیست کی خبر رکھے تا وہ ضائع نہ ہو جائیں اور ان کی استعدادیں حیّز کتمان میں نہ رہیں اور اس صفت فیضانی کا خدائے تعالیٰ کی ذات میں پایا جانا قانونِ قدرت کے ملاحظہ سے نہایت بدیہی طور پر ثابت ہو رہا ہے کیونکہ کسی عاقل کو اس میں کلام نہیں کہ جو کچھ چاند اور سورج اور زمین اور عناصر وغیرہ ضروریات دنیا میں پائی جاتی ہیں جن پر تمام ذی روحوں کی زندگی کا مدار ہے اسی فیضان کے اثر سے ظہور پذیر ہیں اور ہر یک متنفّس

بلاتمیز انسان وحیوان ومومن وکافر ونیک وبد حسب حاجت اپنے ان فیوض مذکورہ بالا سے مستفیض ہورہا ہے اور کوئی ذی روح اس سے محروم نہیں اور اس فیضان کا نام قرآن شریف میں رحمانیت ہے اور اسی کے رو سے خدا کا نام سورۃ فاتحہ میں بعد صفت رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ رَحْمٰن آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ۔ اسی صفت کی طرف قرآن شریف کے کئی ایک اور مقامات میں بھی اشارہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ منجملہ ان کے یہ ہے وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَھُمْ نُفُوْرًا○ تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْھَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا○ وَ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّھَارَ خِلْفَۃً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا○ وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان:۶۱ تا ۶۴) یعنی جب کافروں اور بے دینوں اور دہریوں کو کہا جاتا ہے کہ تم رحمان کو سجدہ کرو تو وہ رحمان کے نام سے متنفر ہوکر بطور انکار سوال کرتے ہیں کہ رحمان کیا چیز ہے (پھر بطور جواب فرمایا) رحمان وہ ذات کثیر البرکت اور مصدر خیرات دائمی ہے جس نے آسمان میں بُرج بنائے۔ بُرجوں میں آفتاب اور چاند کو رکھا جو کہ عامہ مخلوقات کو بغیر تفریق کافر ومومن کے روشنی پہنچاتے ہیں۔ اسی رحمان نے تمہارے لئے یعنی تمام بنی آدم کے لئے دن اور رات بنائی جو کہ ایک دوسرے کے بعد دورہ کرتے رہتے ہیں تا جو شخص طالب معرفت ہو وہ ان دقائق حکمت سے فائدہ اٹھاوے اور جہل اور غفلت کے پردہ سے خلاصی پاوے اور جو شخص شکرِ نعمت کرنے پر مستعد ہو وہ شکر کرے۔ رحمان کے حقیقی پرستار وہ لوگ ہیں کہ جو زمین پر بردباری سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے سخت کلامی سے پیش آئیں تو سلامتی اور رحمت کے لفظوں سے ان کا معاوضہ کرتے ہیں یعنی بجائے سختی کے نرمی اور بجائے گالی کے دُعا دیتے ہیں۔ اور تشبّہ باخلاق رحمانی کرتے ہیں کیونکہ رحمان بھی بغیر تفریق نیک وبد کے اپنے سب بندوں کو سورج اور چاند اور زمین اور دوسری بے شمار نعمتوں سے فائدہ پہنچاتا ہے۔ پس ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے اچھی طرح کھول دیا کہ رحمان کا لفظ ان معنوں کر کے خدا پر بولا جاتا ہے کہ اس کی رحمت وسیع عام طور پر ہر نیک بُرے بھلے پر محیط ہورہی ہے۔ جیسا ایک جگہ اور بھی اسی رحمت عام کی طرف اشارہ فرمایا ہے عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (الاعراف:۱۵۷) یعنی میں اپنا عذاب جس کو لائق اس کے دیکھتا ہوں پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے ہر یک چیز کو گھیر رکھا ہے۔ اور پھر ایک اور موقعہ پر فرمایا قُلْ مَنْ یَّکْلَؤُکُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّھَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ (الانبیاء:۴۳) یعنی ان کافروں اور

نافرمانوں کو کہہ کہ اگر خدا میں صفت رحمانیت کی نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ تم اس کے عذاب سے محفوظ رہ سکتے یعنی اسی کی رحمانیت کا اثر ہے کہ وہ کافروں اور بے ایمانوں کو مہلت دیتا ہے اور جلد تر نہیں پکڑتا۔ پھر ایک اور جگہ اسی رحمانیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَہُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ۔الجزو نمبر ۲۹ (الملک:۲۰) یعنی کیا ان لوگوں نے اپنے سروں پر پرندوں کو اڑتے ہوئے نہیں دیکھا کہ کبھی وہ بازو کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمٰن ہی ہے کہ ان کو گرنے سے تھام رکھتا ہے یعنی فیضانِ رحمانیت ایسا تمام ذی روحوں پر محیط ہو رہا ہے کہ پرندے بھی جو ایک پیسہ کے دو تین مل سکتے ہیں وہ بھی اس فیضان کے وسیع دریا میں خوشی اور سرور سے تیر رہے ہیں۔ اور چونکہ ربوبیت کے بعد اسی فیضان کا مرتبہ ہے۔ اس جہت سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں ربّ العالمین کی صفت بیان فرما کر پھر اس کے رحمان ہونے کی صفت بیان فرمائی تا ترتیب طبعی ان کی ملحوظ رہے۔

تیسری قسم فیضان کی فیضان خاص ہے اس میں اور فیضان عام میں یہ فرق ہے کہ فیضان عام میں مستفیض پر لازم نہیں کہ حصول فیض کے لئے اپنی حالت کو نیک بناوے اور اپنے نفس کو حجب ظلمانیہ سے باہر نکالے یا کسی قسم کا مجاہدہ اور کوشش کرے بلکہ اس فیضان میں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں خدائے تعالیٰ آپ ہی ہر یک ذی روح کو اس کی ضروریات جن کا وہ حسب فطرت محتاج ہے عنایت فرماتا ہے اور بن مانگے اور بغیر کسی کوشش کے مہیا کر دیتا ہے۔ لیکن فیضانِ خاص میں جہد اور کوشش اور تزکیہ قلب اور دُعا اور تضرّع اور توجہ الی اللہ اور دوسرا ہر طرح کا مجاہدہ جیسا کہ موقع ہو شرط ہے اور اس فیضان کو وہی پاتا ہے جو ڈھونڈتا ہے اور اسی پر وارد ہوتا ہے جو اس کے لئے محنت کرتا ہے اور اس فیضان کا وجود بھی ملاحظہ قانونِ قدرت سے ثابت ہے کیونکہ یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ خدا کی راہ میں سعی کرنے والے اور غافل رہنے والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ جو لوگ دل کی سچائی سے خدا کی راہ میں کوشش کرتے ہیں اور ہر یک تاریکی اور فساد سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں ایک خاص رحمت ان کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ اس فیضان کے رو سے خدائے تعالیٰ کا نام قرآن شریف میں رحیم ہے اور یہ مرتبہ صفتِ رحیمیت کا بوجہ خاص ہونے اور مشروط بہ شرائط ہونے کے مرتبہ صفت رحمانیت سے موخر ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اوّل صفت رحمانیت ظہور میں آئی ہے۔ پھر بعد اس کے صفت رحیمیت ظہور پذیر ہوئی پس اسی ترتیب طبعی کے لحاظ سے سورۃ فاتحہ میں صفت رحیمیت کو صفت رحمانیت کے بعد میں ذکر فرمایا اور کہا الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اور صفت رحیمیت کے بیان میں کئی مقامات

پر قرآن شریف میں ذکر موجود ہے۔ جیسا ایک جگہ فرمایا ہے وَ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا (الاحزاب:۴۴) یعنی خدا کی رحیمیت صرف ایمانداروں سے خاص ہے جس سے کافر کو یعنی بے ایمان اور سرکش کو حصہ نہیں۔

اس جگہ دیکھنا چاہئے کہ خدا نے کیسی صفتِ رحیمیت کو مومن کے ساتھ خاص کر دیا لیکن رحمانیت کو کسی جگہ مومنین کے ساتھ خاص نہیں کیا اور کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحْمَانًا بلکہ جو مومنین سے رحمت خاص متعلق ہے ہر جگہ اس کو رحیمیت کی صفت سے ذکر کیا ہے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الاعراف:۵۷) یعنی رحیمیتِ الٰہی انہیں لوگوں سے قریب ہے جو نیکوکار ہیں پھر ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَ جٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (البقرۃ:۲۱۹) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطنوں سے یا نفس پرستیوں سے جدائی اختیار کی اور خدا کی راہ میں کوشش کی وہ خدا کی رحیمیت کے امیدوار ہیں اور خدا غفور اور رحیم ہے یعنی اس کا فیضانِ رحیمیت ضرور ان لوگوں کے شاملِ حال ہو جاتا ہے کہ جو اس کے مستحق ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جس نے اس کو طلب کیا اور نہ پایا۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد ۔۔۔ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

چوتھا قسم فیضان کا فیضانِ اخص ہے۔ یہ وہ فیضان ہے کہ جو صرف محنت اور سعی پر مترتب نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے ظہور اور بروز کے لئے اوّل شرط یہ ہے کہ یہ عالم اسباب کہ جو ایک تنگ و تاریک جگہ ہے۔ بکلّی معدوم اور منعدم ہو جائے اور قدرتِ کاملہ حضرتِ احدیت کے بغیر آمیزش اسبابِ معتادہ کے برہنہ طور پر اپنا کامل چمکار دکھلاوے کیونکہ اس آخری فیضان میں کہ جو تمام فیوض کا خاتمہ ہے جو کچھ پہلے فیضانوں کی نسبت عندالعقل زیادتی اور کمالیت متصوّر ہو سکتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ فیضان نہایت منکشف اور صاف طور پر ہو اور کوئی اشتباہ اور خفا اور نقص باقی نہ رہے۔ یعنی نہ مفیض کے بالارادہ فیضان میں کوئی شبہ رہ جائے۔ اور نہ فیضان کے حقیقی فیضان اور رحمتِ خالصہ اور کاملہ ہونے میں کچھ جائے کلام ہو بلکہ جس مالک قدیم کی طرف سے فیض ہوا ہے اس کی فیاضی اور جزادہی روز روشن کی طرح کھل جائے اور شخص فیض یاب کو بطور حق الیقین یہ امر مشہود اور محسوس ہو کہ حقیقت میں وہ مالک الملک ہی اپنے ارادہ اور توجہ اور قدرتِ خاص سے ایک نعمت عظمیٰ اور لذّتِ کبریٰ اس کو عطا کر رہا ہے اور حقیقت میں اس کو اپنے اعمالِ صالحہ کی ایک کامل اور دائمی جزا کہ جو نہایت اصفیٰ اور نہایت اعلیٰ اور نہایت مرغوب اور نہایت محبوب ہے مل رہی ہے۔ کسی قسم کا امتحان اور ابتلا

نہیں ہے۔ اور ایسے فیضان اکمل اور اتم اور اقوی اور اعلیٰ اور اجلی سے متمتع ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ بندہ اس عالم ناقص اور مکدر اور کثیف اور تنگ اور منقبض اور ناپائیدار مشتبہ الحال سے دوسرے عالم کی طرف انتقال کرے۔ کیونکہ یہ فیضان تجلیاتِ عظمیٰ کا مظہر ہے جن میں شرط ہے کہ محسنِ حقیقی کا جمال بطور عریاں اور بمرتبہ حق الیقین مشہود ہو۔ اور کوئی مرتبہ شہود اور ظہور اور یقین کا باقی نہ رہ جائے۔ اور کوئی پردہ اسباب معتادہ کا درمیان نہ ہو۔ اور ہر یک دقیقہ معرفت تامہ کاملہ قوت سے حیّز فعل میں آ جائے۔ اور نیز فیضان بھی ایسا منکشف اور معلوم الحقیقت ہو کہ اس کی نسبت آپ خدا نے یہ ظاہر کر دیا ہو کہ وہ ہر یک امتحان اور ابتلاء کی کدورت سے پاک ہے اور نیز اس فیضان میں وہ اعلیٰ اور اکمل درجہ کی لذتیں ہوں جن کی پاک اور کامل کیفیت انسان کے دل اور روح اور ظاہر اور باطن اور جسم اور جان اور ہر یک روحانی اور بدنی قوت پر ایسا اکمل اور ابقی احاطہ رکھتی ہو کہ جس پر عقلاً اور خیالاً اور وہماً زیادت متصوّر نہ ہو۔ اور یہ عالم کہ جو ناقص الحقیقت اور مکدّر الصورت اور بالکلیہ الذات اور مشتبہ الکیفیت اور ضیّق الظرف ہے۔ ان تجلیاتِ عظمیٰ اور انوار اصفیٰ اور عطیّات دائمی کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور وہ اشعہ تامہ کاملہ دائمہ اس میں سما نہیں سکتے بلکہ اس کے ظہور کے لئے ایک دوسرا عالم درکار ہے کہ جو اسباب معتادہ کی ظلمت سے بکلّی پاک اور منزہ اور ذات واحد قہار کی اقتدار کامل اور خالص کا مظہر ہے۔ ہاں اس فیضانِ اخص سے ان کامل انسانوں کو اسی زندگی میں کچھ حظ پہنچتا ہے کہ جو سچائی کی راہ پر کامل طور پر قدم مارتے ہیں اور اپنے نفس کے ارادوں اور خواہشوں سے الگ ہو کر بکلّی خدا کی طرف جھک جاتے ہیں کیونکہ وہ مرنے سے پہلے مرتے ہیں اور اگرچہ بظاہر صورت اس عالم میں ہیں لیکن درحقیقت وہ دوسرے عالم میں سکونت رکھتے ہیں۔ پس چونکہ وہ اپنے دل کو اس دنیا کے اسباب سے منقطع کر لیتے ہیں اور عادات بشریت کو توڑ کر اور بیکبارگی غیر اللہ سے مونہہ پھیر کر وہ طریق جو خارقِ عادت ہے اختیار کر لیتے ہیں اس لئے خداوند کریم بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہے اور بطور خارقِ عادت ان پر اپنے وہ انوارِ خاصہ ظاہر کرتا ہے کہ جو دوسروں پر بجز موت کے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ غرض بباعث امور متذکرہ بالا وہ اس عالم میں بھی فیضانِ اخص کے نُور سے کچھ حصہ پا لیتے ہیں اور یہ فیضان ہر یک فیض سے خاص تر اور خاتمہ تمام فیضانوں کا ہے۔ اور اس کو پانے والا سعادتِ عظمیٰ کو پہنچ جاتا ہے اور خوشحالی دائمی کو پا لیتا ہے کہ جو تمام خوشیوں کا سرچشمہ ہے۔ اور جو شخص اس سے محروم رہا وہ ہمیشہ کے دوزخ میں پڑا۔ اس فیضان کے رو سے خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنا نام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بیان فرمایا ہے۔ دین کے لفظ پر الف لام

لانے سے یہ غرض ہے کہ تا یہ معنے ظاہر ہوں کہ جزا سے مراد وہ کامل جزا ہے جس کی تفصیل فرقانِ مجید میں مندرج ہے۔ اور وہ کامل جزا بجز تجلّی مالکیتِ تامّہ کے کہ جو ہدم بنیان اسباب کو مستلزم ہے ظہور میں نہیں آ سکتی۔ چنانچہ اسی کی طرف دوسری جگہ بھی اشارہ فرما کر کہا ہے۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن:۱۷) یعنی اس دن ربوبیتِ الٰہیہ بغیر توسط اسباب عادیہ کے اپنی تجلّی آپ دکھائے گی اور یہی مشہود اور محسوس ہوگا کہ بجز قوتِ عظمیٰ اور قدرت کاملہ حضرت باری تعالیٰ کے اور سب ہیچ ہیں۔ تب سارا آرام وسرور اور سب جزا اور پاداش بنظر صاف وصریح خدا ہی کی طرف سے دکھلائی دے گا اور کوئی پردہ اور حجاب درمیان نہیں رہے گا اور کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہے گی۔ تب جنہوں نے اس کے لئے اپنے تئیں منقطع کر لیا تھا وہ اپنے تئیں ایک کامل سعادت میں دیکھیں گے کہ جوان کے جسم اور جان اور ظاہر اور باطن پر محیط ہو جائے گی اور کوئی حصہ وجود ان کے کا ایسا نہیں ہوگا کہ جو اس سعادتِ عظمیٰ کے پانے سے بے نصیب رہا ہو۔ اور اس جگہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس روز راحت یا عذاب اور لذّت یا درد جو کچھ بنی آدم کو پہنچے گا اس کا اصل موجب خدائے تعالیٰ کی ذات ہوگی اور مالک امر مجازات کا حقیقی طور پر وہی ہوگا یعنی اسی کا وصل یا فصل سعادتِ ابدی یا شقاوتِ ابدی کا موجب ٹھہرے گا۔ اس طرح پر کہ جو لوگ اس کی ذات پر ایمان لائے تھے اور توحید اختیار کی تھی اور اس کی خالص محبت سے اپنے دلوں کو رنگین کر لیا تھا ان پر انوارِ رحمت اس ذاتِ کامل کے صاف اور آشکارا طور پر نازل ہوں گے۔ اور جن کو ایمان اور محبتِ الٰہیہ حاصل نہیں ہوئی وہ اس لذّت اور راحت سے محروم رہیں گے اور عذابِ الیم میں مبتلا ہو جائیں گے۔

یہ فیوض اربعہ ہیں جن کو ہم نے تفصیل وار لکھ دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صفتِ رحمان کو صفتِ رحیم پر مقدم رکھنا نہایت ضروری اور مقتضائے بلاغتِ کاملہ ہے کیونکہ صحیفۂ قدرت پر جب نظر ڈالی جائے تو پہلے پہل خدائے تعالیٰ کی عام ربوبیّت پر نظر پڑتی ہے۔ پھر اس کی رحمانیت پر۔ پھر اس کی رحیمیت پر۔ پھر اس کے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے پر اور کمال بلاغت اسی کا نام ہے کہ جو صحیفۂ فطرت میں ترتیب ہو وہی ترتیب صحیفۂ الہام میں بھی ملحوظ رہے۔ کیونکہ کلام میں ترتیب قدرتی کو منقلب کرنا گویا قانونِ قدرت کو منقلب کرنا ہے اور نظام طبعی کو الٹا دینا ہے۔ کلام بلیغ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ نظام کلام کا نظام طبعی کے ایسا مطابق ہو کہ گویا اس کی عکسی تصویر ہو۔ اور جو امر طبعاً اور وقوعاً مقدم ہو اس کو وضعاً بھی مقدم رکھا جائے۔ سو آیت موصوفہ میں یہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے کہ باوجود کمال فصاحت اور خوش بیانی کے واقعی ترتیب کا نقشہ کھینچ کر دکھلا دیا ہے اور

وہی طرزِ بیان اختیار کی ہے جو کہ ہر یک صاحبِ نظر کو نظامِ عالَم میں بدیہی طور پر نظر آ رہی ہے۔ کیا یہ نہایت سیدھا راستہ نہیں ہے کہ جس ترتیب سے نعماء الٰہی صحیفۂ فطرت میں واقعہ ہیں اسی ترتیب سے صحیفۂ الہام میں بھی واقعہ ہوں۔ سو ایسی عمدہ اور پُر حکمت ترتیب پر اعتراض کرنا حقیقت میں انہیں اندھوں کا کام ہے جن کی بصیرت اور بصارت دونوں یکبارگی جاتی رہی ہیں۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۴۴ تا ۴۵۷ حاشیہ نمبر ۱۱)

سورہ فاتحہ میں اُس خدا کا نقشہ دکھایا گیا ہے جو قرآن شریف منوانا چاہتا ہے اور جس کو وہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اُس کی چار صفات کو ترتیب وار بیان کیا ہے جو اُمہاتُ الصّفات کہلاتی ہیں جیسے سورہ فاتحہ اُمّ الکتاب ہے ویسے ہی جو صفات اللہ تعالیٰ کی اس میں بیان کی گئی ہیں وہ بھی اُمّ الصّفات ہی ہیں اور وہ یہ ہیں رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ۔ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ ان صفاتِ اربعہ پر غور کرنے سے خدا تعالیٰ کا گویا چہرہ نظر آ جاتا ہے۔ ربوبیت کا فیضان بہت ہی وسیع اور عام ہے اور اس میں کل مخلوق کی کل حالتوں میں تربیت اور اس کی تکمیل کے تکفّل کی طرف اشارہ ہے۔ غور تو کرو جب انسان اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر سوچتا ہے تو اُس کی اُمید کس قدر وسیع ہو جاتی ہے اور پھر رحمانیت یہ ہے کہ بدوں کسی عمل عامل کے اُن اسباب کو مہیا کرتا ہے جو بقائے وجود کے لئے ضروری ہیں دیکھو چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ بدوں ہماری دُعا اور التجا کے اور بغیر ہمارے کسی عمل اور فعل کے اُس نے ہمارے وجود کے بقا کے لئے کام میں لگا رکھے ہیں اور پھر رحیمیت یہ ہے کہ اعمال کو ضائع نہ کرے اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کا تقاضا یہ ہے کہ بامراد کر دے جیسے ایک شخص امتحان کے لئے بہت محنت سے طیاری کرتا ہے مگر امتحان میں دو چار نمبروں کی کمی رہ جاتی ہے تو دنیوی نظام اور سلسلہ میں تو اس کا لحاظ نہیں کرتے اور اس کو گرا دیتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی رحیمیت اس کی پردہ پوشی فرماتی ہے اور اس کو پاس کرا دیتی ہے۔ رحیمیت میں ایک قسم کی پردہ پوشی بھی ہوتی ہے عیسائیوں کا خدا ذرا بھی پردہ پوش نہیں ہے ورنہ کفارہ کی کیا ضرورت رہتی۔ ایسا ہی آریوں کا خدا نہ ربّ ہے نہ رحمان ہے کیونکہ وہ تو بلا مزد اور بلا عمل کچھ بھی کسی کو عطا نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ ویدوں کے اصول کے موافق گناہ کرنا بھی ضروری معلوم دیتا ہے مثلاً ایک شخص کو اگر کسی اس کے عمل کے معاوضہ میں گائے کا دودھ دینا مطلوب ہے تو بالمقابل یہ بھی ضرور ہے کہ کوئی برہمنی (اگر یہ روایت صحیح ہو) زنا کرے تا کہ اس فسق و فحش کے بدلہ میں وہ

گائے کی جون میں جائے اور اس عامل کو دودھ پلائے خواہ وہ اُس کا خاوند ہی کیوں نہ ہو۔ غرض جب تک ایسا سلسلہ نہ ہوگا کوئی عامل اپنے عمل کی جزا ویدک ایشر کے خزانہ سے پا نہیں سکتا کیونکہ اس کا سارا سلسلہ جوڑ توڑ ہی سے چلتا ہے۔ مگر اسلام نے وہ خدا پیش کیا ہے جو جمیع محامد کا سزاوار ہے اس لئے معطی حقیقی ہے۔ وہ رحمٰن ہے بدوں عمل عامل کے اپنا فضل کرتا ہے۔ پھر مالکیت یوم الدین جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے بامراد کرتی ہے دنیا کی گورنمنٹ کبھی اس امر کا ٹھیکہ نہیں لے سکتی کہ ہر ایک بی اے پاس کرنے والے کو ضرور نوکری دیگی۔ مگر خدا تعالیٰ کی گورنمنٹ کامل گورنمنٹ اور لا انتہا خزائن کی مالک ہے اُس کے حضور کوئی کمی نہیں۔ کوئی عمل کرنے والا ہو وہ سب کو فائز المرام کرتا ہے اور نیکیوں اور حسنات کے مقابلہ میں بعض ضعفوں اور سقموں کی پردہ پوشی بھی فرماتا ہے۔ وہ تواب بھی ہے اور مستحیی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہزار ہا عیب اپنے بندوں کے معلوم ہوتے ہیں مگر وہ ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ بے باک ہو کر انسان اپنے عیبوں میں ترقی پر ترقی کرتا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حیا اور پردہ پوشی سے نفع نہیں اُٹھاتا بلکہ دہریت کی رگ اُس میں زور پکڑتی جاتی ہے۔ تب خدا تعالیٰ کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ اس بے باک کو چھوڑا جائے اس لئے وہ ذلیل کیا جاتا ہے..... غرض میرا مطلب تو صرف یہ تھا کہ رحیمیت میں ایک خاصہ پردہ پوشی کا بھی ہے مگر اس پردہ پوشی سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی عمل ہو اور اس عمل کے متعلق اگر کوئی کمی یا نقص رہ جاوے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحیمیت سے اُس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ رحمانیت اور رحیمیت میں فرق یہ ہے کہ رحمانیت میں فعل اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا مگر رحیمیت میں فعل و عمل کو دخل ہے لیکن کمزوری بھی ساتھ ہی ہے۔ خدا کا رحم چاہتا ہے کہ پردہ پوشی کرے اسی طرح مالک یوم الدین وہ ہے کہ اصل مقصد کو پورا کرے۔ خوب یاد رکھو کہ یہ امہات الصفات روحانی طور پر خدا نما تصویر ہیں۔ ان پر غور کرتے ہی معاً خدا سامنے ہو جاتا ہے اور روح ایک لذت کے ساتھ اُچھل کر اُس کے سامنے سربسجود ہو جاتی ہے چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے جو شروع کیا گیا تھا تو غائب کی صورت میں ذکر کیا ہے لیکن ان صفاتِ اربعہ کے بیان کے بعد معاً صورت بیان تبدیل ہو گئی ہے کیونکہ ان صفات نے خدا کو سامنے حاضر کر دیا ہے اس لئے حق تھا اور فصاحت کا تقاضا تھا کہ اب غائب نہ رہے بلکہ حاضر کی صورت اختیار کی جاوے پس اس دائرہ کی تکمیل کے تقاضا نے مخاطب کی طرف منہ پھیرا اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا۔

(الحکم نمبر ۲۳ جلد ۵ مورخہ ۳۱/اگست ۱۹۰۱ صفحہ ۱، ۲)

وَاعْلَمْ أَنَّ فِيْ تَرْتِيْبِ هٰذِهِ الصِّفَاتِ بَلَاغَةً أُخْرٰى نُرِيْدُ أَنْ نَّذْكُرَهَا لِتَكْتَحِلَ مِنْ كُحْلِ الْمُتَبَصِّرِيْنَ. وَهُوَ أَنَّ الْاٰيَاتِ الَّتِيْ رَصَّعَ اللهُ بَعْدَهَا كُلُّهَا مَقْسُوْمَةٌ عَلٰى تِلْكَ الصِّفَاتِ بِرِعَايَةِ الْمُحَاذَاةِ وَوَضْعِ بَعْضِهَا تَحْتَ بَعْضٍ كَطَبَقَاتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِيْنَ.

وَتَفْصِيْلُهُ أَنَّهُ تَعَالٰى ذَكَرَ أَوَّلًا ذَاتَهُ وَ صِفَاتَهُ بِتَرْتِيْبٍ يُوْجَدُ فِي الْعَالَمِيْنَ. ثُمَّ ذَكَرَ كُلَّ مَا هُوَ يُنَاسِبُ الْبَشَرِيَّةَ بِتَرْتِيْبٍ يُشَاهَدُ فِيْ قَانُوْنِ اللهِ وَمَعَ ذٰلِكَ جَعَلَ كُلَّ صِفَةٍ بَشَرِيَّةٍ تَحْتَ صِفَتٍ إِلٰهِيَّةٍ وَ جَعَلَ لِكُلِّ صِفَةٍ إِنْسَانِيَّةٍ مَشْرَبًا وَ سُقْيًا مِّنْ صِفَةٍ إِلٰهِيَّةٍ تَسْتَفِيْضُ مِنْهَا وَ أَرٰى التَّقَابُلَ بَيْنَهُمَا بِتَرْتِيْبٍ وَضْعِيٍّ يُوْجَدُ فِي الْاٰيَاتِ فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْمُرَتِّبِيْنَ. وَ تَشْرِيْحُهُ التَّامُّ أَنَّ الصِّفَاتِ مَعَ اسْمِ الذَّاتِ خَمْسَةُ أَبْحُرٍ قَدْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهَا فِيْ صَدْرِ السُّوْرَةِ أَعْنِي اللهَ وَرَبَّ الْعَالَمِيْنَ۝۲ وَالرَّحْمٰنَ۝۳ وَالرَّحِيْمَ۝۴

واضح ہو کہ ان صفاتِ الٰہیہ کی ترتیب میں اور بلاغت پائی جاتی ہے جسے ہم (یہاں) بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تا صاحبِ بصیرت لوگوں (کی بینائی) کے سُرمہ سے آپ کی آنکھیں بھی روشن ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان صفات کے معاً بعد جو آیات سجائی ہیں وہ انہیں صفات پر منقسم ہیں۔ (یعنی ہر آیت ایک خاص صفت سے متعلق ہے) بلحاظ ایک دوسری کے مقابل واقع ہونے کے اور آسمانوں اور زمینوں کے طبقات کی طرح ایک دوسری کے اوپر تلے رکھے جانے کے۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا اسی ترتیب کے ساتھ ذکر کیا جو کائناتِ عالم میں پائی جاتی ہے۔ پھر ان تمام امور کو جو بشریت کے مناسبِ حال ہیں اسی ترتیب کے ساتھ بیان کیا جو خدائی قانون میں نظر آتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہر بشری صفت کو ایک الٰہی صفت کے تحت رکھ دیا۔ اور ہر انسانی صفت کے لئے ایک صفتِ الٰہیہ کو گھاٹ یا پینے کا مقام قرار دیا جس سے وہ مستفیض ہو۔ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں ایک وضعی ترتیب کے مطابق آپس میں تقابل دکھایا ہے پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو بہترین ترتیب دینے والا ہے۔ اس مضمون کی مکمل تشریح یوں ہے کہ یہ صفات (اللہ تعالیٰ کے) اسم ذات سمیت پانچ سمندر ہیں۔ جن کا ذکر اس سورت کے شروع میں آیا ہے یعنی اللہ، رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۝۲۔ اَلرَّحْمٰنَ۝۳۔ الرَّحِيْمَ۝۴ اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۝۵۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد کے مطابق ان (سمندروں) سے مستفیض ہونے والی آیات کا ذکر کیا ہے۔ اور

وَمٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ فَجَعَلَ اللهُ كَمِثْلِهَا
خَمْسَةً مِّنَ الْمُغْتَرِفَاتِ مِمَّا ذَكَرَ مِنْ بَعْدُ
وَ قَابَلَ الْخَمْسَةَ بِالْخَمْسَةِ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ
الْمُغْتَرِفَاتِ يَشْرَبُ مِنْ مَّآءِ صِفَةٍ
تُشَابِهُهُ وَتُنَاوِحُهُ وَتَأْخُذُ مِمَّا احْتَوَتْ عَلٰى
مَعَانٍ تَسُرُّ الْعَارِفِيْنَ. مَثَلًا أَوَّلُهَا بَحْرُ
"اسْمِ اللهِ تَعَالٰى وَتَغْتَرِفُ مِنْهُ
جُمْلَةَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ" الَّتِيْ حَذَتْهُ وَ صَارَتْ
كَالْمُحَاذِيَيْنِ. وَحَقِيْقَةُ التَّعَبُّدِ تَعْظِيْمُ
الْمَعْبُوْدِ بِالتَّذَلُّلِ التَّآمِّ وَ الْاِحْتِذَآءُ
بِمِثَالِهٖ وَ الْاِنْصِبَاغُ بِصِبْغِهٖ وَالْخُرُوْجُ
مِنَ النَّفْسِ وَالْأَنَانِيَّةِ كَالْفَانِيْنَ. وَسِرُّهٗ
أَنَّ الْعَبْدَ قَدْ خُلِقَ كَالْمَرِيْضِ وَالْعَلِيْلِ
وَالْعَطْشَانِ وَشِفَآؤُهٗ وَتَسْكِيْنُ غُلَّتِهٖ وَ
إِرْوَاءُ كَبِدِهٖ فِيْ مَآءِ عِبَادَةِ اللهِ فَلَا يَبْرَأُ
وَلَا يَرْتَوِيْ إِلَّا إِذَا يَثْنِيْ إِلَيْهِ انْصِبَابَهٗ
وَ يُفْرِطُ صَبَابَهٗ وَ يَسْعٰى إِلَيْهِ
كَالْمُسْتَسْقِيْنَ. وَلَا يُطَهِّرُ قَرِيْحَتَهٗ وَلَا
يُلَيِّنُ عَجَاجَتَهٗ وَلَا يُجَلِّيْ مُجَاجَتَهٗ إِلَّا ذِكْرُ
اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ
يَعْبُدُوْنَ اللهَ وَيَأْتُوْنَهٗ مُسْلِمِيْنَ. فَفِيْ اٰيَةِ
اِيَّاكَ نَعْبُدُ إِقْرَارٌ لِّمَعْبُوْدِيَّةِ اللهِ الَّذِيْ
هُوَ مُسْتَجْمِعٌ بِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِيَّةِ

ان پانچ کو اُن پانچ کے مقابل پر رکھا ہے۔ اور ہر فیض
حاصل کرنے والی آیت ایک ایسی صفت سے مستفیض ہوتی
ہے جو اس کے مشابہ اور اس کے مقابل ہے۔ اور اس سے
وہ مطالب اخذ کرتی ہے جن پر وہ صفت حاوی ہے اور جو
طالبانِ الٰہی کو بے حد پسندیدہ ہیں۔ مثلاً ان میں سے سب
سے پہلا سمندر اللہ (اسم ذات) کا سمندر ہے۔ اس کے
مقابل اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا فقرہ ہے جو مقابل میں رکھی جانے
والی اشیاء کی طرح ہو کر فیض حاصل کرتا ہے۔ اور عبادت کی
حقیقت ہے۔ پوری انکساری سے معبود کی تعظیم کرنا اور اس
کے نمونہ کو اختیار کرنا۔ اس کے رنگ سے رنگین ہونا اور
فانی فی اللہ لوگوں کی طرح نفسانیت اور انانیت سے الگ
ہو جانا۔ اس میں راز یہ ہے کہ انسان کو بیمار اور روگی اور
پیاسے کے مثل پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کی شفاء اس کی
پیاس کی تسکین اور اس کے جگر کی سیرابی اللہ تعالیٰ کی عبادت
کے پانی سے ہوتی ہے۔ وہ تبھی صحت مند اور سیراب ہو سکتا
ہے۔ جب وہ اللہ کی طرف اپنا رُخ موڑ لیتا ہے اور اس کے
ساتھ اپنے عشق کو بڑھاتا ہے اور وہ اس (معبودِ حقیقی) کی
طرف پانی کے طالبوں کی طرح دوڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے
ذکر کے سوا کوئی چیز نہ تو اس کی فطرت کو پاک کر سکتی ہے نہ
اس کے غبار خاطر کو مجتمع کر سکتی ہے۔ اور نہ اس کے منہ کا
ذائقہ شیریں بنا سکتی ہے۔ سنو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان
ہی لوگوں کے دل مطمئن ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت
کرتے ہیں اور اس کے حضور فرمانبردار بن کر آتے ہیں۔

وَلِذٰلِكَ وَقَعَتْ هٰذِهِ الْجُمْلَةُ تَحْتَ جُمْلَةِ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" فَانْظُرْ إِنْ كُنْتَ مِنَ النَّاظِرِيْنَ۔

پس آیت مبارکہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا اعتراف ہے جو تمام صفاتِ کاملہ کا جامع ہے اور اسی لئے یہ جملہ (اِیَّاکَ نَعْبُدُ) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے جملہ کے تحت ہے۔ پس تو غور کر! اگر تُو غور کرنے والوں میں سے ہے۔

وَ ثَانِيْهَا بَحْرُ "رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" وَتَعْتَرِفُ مِنْهَا جُمْلَةُ "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَمِعَ أَنَّ اللهَ يُرَبِّي الْعَالَمِيْنَ كُلَّهَا وَ مَا مِنْ عَالَمٍ إِلَّا هُوَ مُرَبِّيْهِ وَ رَاٰى نَفْسَهٗ أَمَّارَةً بِالسُّوْءِ فَتَضَرَّعَ وَ اضْطَرَّ وَ الْتَجَأَ إِلٰى بَابِهٖ وَ تَعَلَّقَ بِأَهْدَابِهٖ وَ دَخَلَ فِيْ مَأْدَبِهٖ بِرِعَايَةِ اٰدَابِهٖ لِيُدْرِكَهٗ بِالرُّبُوْبِيَّةِ وَ يُحْسِنَ إِلَيْهِ وَ هُوَ خَيْرُ الْمُحْسِنِيْنَ۔ فَإِنَّ الرُّبُوْبِيَّةَ صِفَةٌ تُعْطِيْ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ الْمَطْلُوْبَ لِوُجُوْدِهٖ وَلَا يُغَادِرُهٗ كَالنَّاقِصِيْنَ۔

ان میں سے دوسرا سمندر رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کا ہے۔ اور اس سے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا جملہ مستفیض ہوتا ہے کیونکہ بندہ جب یہ بات سنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کی پرورش کرتا ہے اور ایسا کوئی عالم نہیں جس کا وہ مربّی نہ ہو اور وہ (بندہ) اپنے نفس کو بدی کا حکم دینے والا دیکھتا ہے تو وہ گریہ وزاری کرتا ہے اور مجبور ہو کر اس کے دروازہ کی طرف پناہ ڈھونڈتا ہے۔ اس کے دامن سے لپٹ جاتا ہے اور اس کے آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی (روحانی) ضیافت گاہ میں داخل ہو جاتا ہے تا وہ (پاک ذات) اپنی ربوبیت سے اس کی دستگیری کرے اور اس پر احسان فرمائے اور وہ بہترین احسان کرنے والا ہے۔ پس ربوبیت ایک ایسی صفت ہے جو ہر چیز کو اس کے وجود کے مناسب حال خلق عطا کرتی ہے۔ اور اس کو ناقص حالت میں نہیں رہنے دیتی۔

وَ ثَالِثُهَا بَحْرُ اسْمِ الرَّحْمٰنِ وَ تَعْتَرِفُ مِنْهُ جُمْلَةُ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" لِيَكُوْنَ الْعَبْدُ مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ الْمَرْحُوْمِيْنَ۔ فَإِنَّ الرَّحْمَانِيَّةَ تُعْطِيْ كُلَّ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْوُجُوْدُ الَّذِيْ رُبِّيَ مِنْ صِفَةِ

ان میں سے تیسرا سمندر الرحمٰن ہے اور اس سے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا جملہ سیراب ہوتا ہے تا انسان ہدایت اور رحمت پانے والوں میں ہو جائے کیونکہ صفتِ رحمانیت ہر اُس وجود کو جو صفتِ ربوبیت سے تربیت پا چکا ہے وہ سب کچھ مہیا کرتی ہے جس کی اسے حاجت ہو۔ پس یہ صفت تمام وسائل کو رحم پانے والے کے موافق بنا دیتی ہے اور ربوبیت کا نتیجہ وجود

الرُّبُوبِيَّةِ. فَهٰذِهِ الصِّفَةُ تَجْعَلُ الْأَسْبَابَ مُوَافِقَةً لِلْمَرْحُومِ. وَ أَثَرُ الرُّبُوبِيَّةِ تَسْوِيَةُ الْوُجُودِ وَتَخْلِيقُهُ كَمَا يَلِيقُ وَ يَنْبَغِي وَأَثَرُ هٰذِهِ الصِّفَةِ أَنَّهَا تُكْسِي ذٰلِكَ الْوُجُودَ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْأَتَهُ وَتَهَبُ لَهُ زِينَتَهُ وَ تَكْحُلُ عَيْنَهُ وَتَغْسِلُ وَجْهَهُ وَ تُعْطِي لَهُ فَرَسًا لِلرُّكُوبِ وَتُرِيهِ طُرُقَ الْفَارِسِينَ. وَ مَرْتَبَتُهَا بَعْدَ الرُّبُوبِيَّةِ وَ هِيَ تُعْطِي كُلَّ شَيْءٍ مَطْلُوبَ وُجُودِهِ وَ تَجْعَلُهُ مِنَ الْمُوَفَّقِينَ.

کو کامل قوٰی دینا اور ایسے طور پر پیدا کرنا ہے جو اس کے لائق حال اور مناسب ہے۔ اسی صفت کا اثر یہ ہے کہ یہ ہر وجود کو اس کے عیوب کو چھپا دینے والا لباس پہناتی ہے۔ اُسے زینت عطا کرتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں سُرمہ لگاتی ہے۔ اس کے چہرہ کو دھوتی ہے۔ اس کو سواری کے لئے گھوڑا دیتی ہے۔ اور اس کو شاہسواروں کے طریق بتاتی ہے اور صفت (رحمانیت) کا درجہ ربوبیّت کے بعد ہے وہ ہر چیز کو اس کے وجود کا مطلوب عطا کر کے اسے توفیق یافتہ لوگوں میں سے بنا دیتی ہے۔

وَرَابِعُهَا بَحْرُ اسْمِ "الرَّحِيمِ" وَتَغْتَرِفُ مِنْهُ جُمْلَةُ "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" لِيَكُونَ الْعَبْدُ مِنَ الْمُنْعَمِينَ الْمَخْصُوصِينَ. فَإِنَّ الرَّحِيمِيَّةَ صِفَةٌ مُدْنِيَةٌ إِلَى الْإِنْعَامَاتِ الْخَاصَّةِ الَّتِي لَا شَرِيكَ فِيهَا لِلْمُطِيعِينَ وَإِنْ كَانَ الْإِنْعَامُ الْعَامُّ مُحِيطَةً بِكُلِّ شَيْءٍ مِنَ النَّاسِ إِلَى الْأَفَاعِي وَ التِّنِّينِ.

ان میں سے چوتھا سمندر صفت الرَّحِیْمِ ہے اور اس سے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کا جملہ مستفیض ہوتا ہے تا بندہ خاص انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہو جائے۔ کیونکہ رحیمیّت ایسی صفت ہے جو ان انعاماتِ خاصہ تک پہنچا دیتی ہے جن میں فرمانبردار لوگوں کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔ گو (اللہ تعالیٰ کا) عام انعام انسانوں سے لے کر سانپوں، اژدہاؤں تک کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

وَخَامِسُهَا بَحْرُ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ" وَتَغْتَرِفُ مِنْهُ جُمْلَةُ "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ". فَإِنَّ غَضَبَ اللهِ وَتَرْكَهُ فِي الضَّلَالَةِ لَا تَظْهَرُ حَقِيقَتُهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى وَجْهِ الْكَامِلِ إِلَّا فِي يَوْمِ

ان میں سے پانچواں سمندر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (کی صفت) ہے۔ اور اس سے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کا جملہ مستفیض ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے غضب اور اس کے (انسان کو) ضلالت اور گمراہی میں چھوڑ دینے کی حقیقت لوگوں پر مکمل طور پر جزا اور سزا کے

الْمَجَازَاتِ الَّذِيْ يُجَالِيْهِمُ اللهُ فِيْهِ بِغَضَبِهٖ وَإِنْعَامِهٖ وَيُجَالِحُهُمْ بِتَذْلِيْلِهٖ وَإِكْرَامِهٖ وَيُجَلِّيْ عَنْ نَّفْسِهٖ إِلٰى حَدٍّ مَّا جَلْيَ كَمِثْلِهٖ وَتَرَآءَى السَّابِقُوْنَ كَفَرَسِ مُجَلٍّ وَتَرَآءَتِ الْجَالِيَةُ بِغَيْهِمِ الْمُبِيْنِ. وَفِيْهِ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّهُمْ كَانُوْا مَوْرِدَ غَضَبِ اللهِ وَكَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ. "وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى" وَلٰكِنْ عَمٰى هٰذِهِ الدُّنْيَا مَخْفِيٌّ وَيَتَمَيَّنُ فِيْ يَوْمِ الدِّيْنِ. فَالَّذِيْنَ أَبَوْا وَمَا تَبِعُوْا هَدْيَ رَسُوْلِنَا وَنُوْرَ كِتَابِنَا وَ كَانُوْا لِطَوَاغِيْتِهِمْ مُتَّبِعِيْنَ فَسَوْفَ يَرَوْنَ غَضَبَ اللهِ وَ تَغَيُّظَ النَّارِ وَ زَفِيْرَهَا. وَيَرَوْنَ ظُلْمَتَهُمْ وَ ضَلَالَتَهُمْ بِالْأَعْيُنِ وَ يَجِدُوْنَ أَنْفُسَهُمْ كَالظَّلِعِ الْأَعْوَرِ وَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَمَا كَانَ لَهُمْ أَحَدٌ مِّنَ الشَّافِعِيْنَ. وَفِي الْاٰيَةِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ اسْمَ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ذُو الْجِهَتَيْنِ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَاسْأَلُوْهُ أَنْ يَّجْعَلَكُمْ مِّنَ الْمُهْتَدِيْنَ.

هٰذَا مَا أَرَدْنَا مِنْ بَيَانِ بَعْضِ

دن ہی ظاہر ہوگی۔ جس دن اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور انعام کے ساتھ جلوہ گر ہوگا۔ اور ان کو اپنی طرف سے ذلّت دے کر یا عزّت دے کر ظاہر کر دے گا۔ اور اس حد تک اپنے آپ کو ظاہر کر دے گا کہ اس طرح کبھی اپنے وجود کو ظاہر نہیں کیا ہوگا۔ اور (خدا کی راہ میں) سبقت لے جانے والے یوں دکھائی دیں گے جیسے میدان میں آگے بڑھا ہوا گھوڑا اور گناہگار اپنی کھلی کھلی گمراہی میں نظر آئیں گے۔ اور اس دن منکروں پر واضح ہو جائے گا کہ وہ درحقیقت غضب الٰہی کے مورد تھے اور اندھے تھے اور جو اس دنیا میں اندھا رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ لیکن اس دنیا کی نابینائی مخفی ہے اور جزا سزا کے دن وہ ظاہر ہو جائے گی۔ پس جن لوگوں نے انکار کیا اور ہمارے رسول کی ہدایت اور ہماری کتاب (قرآن کریم) کے نُور کی پیروی نہ کی اور اپنے باطل معبودوں کی اتباع کرتے رہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دیکھیں گے۔ اور جہنم کے جوش اور اس کی خوفناک آواز کو سنیں گے۔ اور اپنی گمراہی اور کجروی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اپنے آپ کو لنگڑے کانے جیسے پائیں گے۔ اور جہنم میں داخل ہوں گے۔ جہاں وہ لمبا عرصہ رہیں گے اور ان کا کوئی شفیع نہیں ہوگا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ (خدا کا) اسم مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ دو پہلوؤں والا ہے۔ وہ جسے چاہے گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ پس تم دُعا کرو کہ وہ تمہیں ہدایت یافتہ بنا دے۔

یہی وہ امر ہے جس کو ہم بیان کرنا چاہتے تھے۔ یعنی اس

نِكَاتِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَلَطَآئِفِهَا الْأَدَبِيَّةِ الَّتِي هِيَ لِلنَّاظِرِيْنَ كَالْاٰيَاتِ وَبَلَاغَتِهَا الرَّائِعَةِ الْمُبْتَكِرَةِ الْمُعَبِّرَةِ الْمُحْتَوِيَةِ عَلٰى مَحَاسِنِ الْكِنَايَاتِ مَعَ دُرَرٍ حِكَمِيَّةٍ وَمَعَارِفَ نَادِرَةٍ مِّنْ دَقَآئِقِ الْإِلٰهِيَّاتِ فَلَا تَجِدُ نَظِيْرَهَا فِي الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ. فَلَا شَكَّ أَنَّ مُلَحَ أَدَبِهَا بَارِعَةٌ وَّقَدَمَهَا عَلٰى أَعْلَامِ الْعُلُوْمِ فَارِعَةٌ وَّ هِيَ يُضِيْئُ قُلُوْبَ الْعَارِفِيْنَ. وَ قَدْ عَلِمْتَ تَرْتِيْبَ خَمْسَةِ أَبْحُرٍ الَّتِي تَجْرِيْ بَعْضُهَا تِلْوَ بَعْضٍ فَتَسَلَّمْهُ وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِيْنَ. وَ أَمَّا تَرْتِيْبُ الْمُغْتَرِفَاتِ فَتَعْرِفُهُ بِتَرْتِيْبِ أَبْحُرِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُغْتَرِفِيْنَ.

(کرامات الصادقین۔ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۹)

آیت کے بعض نکات اور ادبی لطائف کو جو دیکھنے والوں کے لئے روشن نشانوں کی طرح ہیں۔ اور اس کی حیران کن اچھوتی اور خوب آراستہ بلاغت کو جو کنایات کی خوبیوں، حکمت کے موتیوں اور دقائق الٰہیہ کے نادر معارف پر حاوی ہے۔ تم اس بیان کی نظیر نہ تو پہلے لوگوں میں اور نہ بعد میں آنے والے لوگوں میں دیکھو گے۔ بلاشبہ اس کی عمدہ ادبی باتیں بے نظیر فضیلت کی حامل ہیں۔ اس کا قدم علوم کے پہاڑوں سے بھی اونچا ہے اور وہ عارفوں کے دلوں کو موہ لیتی ہے۔ اب تُو نے ان پانچ سمندروں کی ترتیب کو معلوم کر لیا ہے۔ جو ایک دوسرے کے پیچھے جاری ہیں۔ پس تو انہیں قبول کر اور شکر گذاروں میں سے ہو جا اور اگر تو فیض اُٹھانے والوں سے بننا چاہے تو فیض اٹھانے والے جملوں کی ترتیب کو تُو ان کے سمندروں کی ترتیب سے پہچان لے گا۔ (ترجمہ از مرتب)

اس جگہ لف ونشر مرتب ہے۔ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اللہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہر ایک خوبی کو اپنے اندر رکھنے والا اور ہر ایک عیب اور نقص سے منزّہ دوم ربّ العالمین، سوم الرّحمٰن، چہارم الرحیم، پنجم مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اب اس کے بعد جو درخواستیں ہیں وہ ان پانچوں کے ماتحت ہیں اب سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ یہ فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے مقابل ہے یعنی اے اللہ تو جو ساری صفات حمیدہ کا جامع ہے اور تمام بدیوں سے منزّہ ہے تیری ہی عبادت کرتے ہیں مسلمان اس خدا کو جانتا ہے جس میں تمام خوبیاں جو انسانی ذہن میں آ سکتی ہیں موجود ہیں اور اس سے بالاتر اور بالاتر ہے کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ انسانی عقل اور فکر اور ذہن خدا تعالیٰ کی صفات کا احاطہ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہاں تو مسلمان ایسے کامل الصفات خدا کو مانتا ہے تمام قومیں مجلسوں میں اپنے خدا کا ذکر کرتے ہوئے شرمندہ ہو جاتی ہیں اور انہیں شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً ہندوؤں کا خدا جو انہوں

نے مانا ہے اور کہا ہے کہ ویدوں سے ایسے خدا ہی کا پتہ لگتا ہے جب اس کی نسبت وہ یہ ذکر کریں گے کہ اُس نے دنیا کا ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ اُس نے روحوں کو پیدا کیا ہے تو کیا ایسے خدا کے ماننے والے کے لئے کوئی مفر رہ سکتا ہے۔ جب اُسے کہا جائے کہ ایسا خدا اگر مر جائے تو کیا حرج ہے کیونکہ جب یہ اشیاء اپنا وجود مستقل رکھتی ہیں اور قائم بالذّات ہیں پھر خدا کی زندگی کی ان کی زندگی اور بقا کے لئے کیا ضرورت ہے جیسے ایک شخص اگر تیر چلائے اور وہ تیر ابھی جا ہی رہا ہو کہ اس شخص کا دم نکل جائے تو بتاؤ کہ اس تیر کی حالت میں کیا فرق آئے گا ہاتھ سے نکلنے کے بعد وہ چلانے والے کے وجود کا محتاج نہیں ہے۔ اسی طرح پر ہندوؤں کے خدا کے لئے اگر یہ تجویز کیا جائے کہ وہ ایک وقت مر جاوے تو کوئی ہندو اُس کی موت کا نقصان نہیں بتا سکتا۔ مگر ہم خدا کے لئے ایسا تجویز نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ کے لفظ سے ہی پایا جاتا ہے کہ اُس میں کوئی نقص اور بدی نہ ہو۔ ایسا ہی جب کہ آریہ مانتا ہے کہ اجسام اور روحیں انادی ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جب تمہارا یہ اعتقاد ہے پھر خدا کی ہستی کا ثبوت ہی کیا دے سکتے ہو؟ اگر کہو کہ اُس نے جوڑا جاڑا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جب تم پرمانو اور پرکرتی کو قدیم سے مانتے ہو اور ان کے وجود کو قائم بالذّات کہتے ہو تو پھر جوڑنا جاڑنا تو ادنیٰ فعل ہے وہ جڑ بھی سکتے ہیں اور ایسا ہی جب وہ یہ تعلیم بتاتے ہیں کہ خدا نے وید میں مثلاً یہ حکم دیا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں اپنے خاوند سے بچہ پیدا نہ ہو سکتا ہو تو وہ کسی دوسرے سے ہم بستر ہو کر اولاد پیدا کر لے تو بتاؤ ایسے خدا کی نسبت کیا کہا جاوے گا؟ یا مثلاً یہ تعلیم پیش کی جائے کہ خدا کسی اپنے پریمی اور بھگت کو ہمیشہ کے لئے مکتی یعنی نجات نہیں دے سکتا بلکہ مہاپرلے کے وقت اُس کو ضروری ہوتا ہے کہ مکتی یافتہ انسانوں کو پھر اسی تناسخ کے چکر میں ڈالے یا مثلاً خدا کی نسبت یہ کہنا کہ وہ کسی کو اپنے فضل و کرم سے کچھ بھی عطا نہیں کر سکتا بلکہ ہر ایک شخص کو وہی ملتا ہے جو اُس کے اعمال کے نتائج ہیں پھر ایسے خدا کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے غرض ایسا خدا ماننے والے کو سخت شرمندہ ہونا پڑے گا۔

ایسا ہی عیسائی بھی جب یہ پیش کریں گے کہ ہمارا خدا یسوع ہے اور پھر اُس کی نسبت وہ یہ بیان کریں گے کہ یہودیوں کے ہاتھوں سے اُس نے ماریں کھائیں شیطان اُسے آزماتا رہا۔ بھوک اور پیاس کا اثر اُس پر ہوتا رہا۔ آخر ناکامی کی حالت میں پھانسی پر چڑھایا گیا تو کون دانشمند ہوگا جو ایسے خدا کے ماننے کے لئے تیار ہوگا۔ غرض اسی طرح پر تمام قومیں اپنے مانے ہوئے خدا کا ذکر کرتی ہوئی شرمندہ ہوتی ہیں مگر مسلمان کبھی اپنے خدا کا ذکر کرتے ہوئے کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوتا کیونکہ جو خوبی اور عمدہ صفت ہے وہ اُن کے مانے

ہوئے خدا میں موجود اور جو نقص اور بدی ہے اُس سے وہ منزّہ ہے جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں اللہ کو تمام صفاتِ حمیدہ کا موصوف قرار دیا ہے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے مقابل میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہے۔ اس کے بعد ہے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ربوبیت کا کام ہے تربیت اور تکمیل جیسے ماں اپنے بچہ کی پرورش کرتی ہے اُس کو صاف کرتی ہے ہر قسم کے گند اور آلائش سے دور رکھتی ہے اور دودھ پلاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ وہ اُس کی مدد کرتی ہے اب اس کے مقابل میں یہاں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہے) پھر اَلرَّحْمٰنُ ہے جو بغیر خواہش بدوں درخواست اور بغیر اعمال کے اپنے فضل سے دیتا ہے اگر ہمارے وجود کی ساخت ایسی نہ ہوتی تو ہم سجدہ نہ کر سکتے اور رکوع نہ کر سکتے اس لئے ربوبیت کے مقابلہ میں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ فرمایا جیسے باغ کا نشوونما پانی کے بغیر نہیں ہوتا اسی طرح پر اگر خدا کے فیض کا پانی نہ پہنچے تو ہم نشوونما نہیں پا سکتے درخت پانی کو چوستا ہے اس کی جڑوں میں دہانے اور سوراخ ہوتے ہیں۔ طبعی میں یہ مسئلہ ہے کہ درخت کی شاخیں پانی کو جذب کرتی ہیں اُن میں قوت جاذبہ ہے اسی طرح پر عبودیت میں ایک قوتِ جاذبہ ہوتی ہے جو خدا کے فیضان کو جذب کرتی ہے اور چوستی ہے پس اَلرَّحْمٰنُ کے بالمقابل اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے یعنی اگر اس کی رحمانیت ہمارے شاملِ حال نہ ہوتی اگر یہ قویٰ اور طاقتیں تُو نے عطا نہ کی ہوتیں تو ہم اس فیض سے کیونکر بہرہ ور ہو سکتے۔

(الحکم نمبر ۳۳ جلد ۵ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

پس اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ اَلرَّحْمٰنُ کے بالمقابل ہے کیونکہ ہدایت پانا کسی کا حق تو نہیں ہے بلکہ محض رحمانیتِ الٰہی سے یہ فیض حاصل ہو سکتا ہے اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۔ اَلرَّحِیْمُ کے بالمقابل ہے کیونکہ اس کا ورد کرنے والا رحیمیت کے چشمہ سے فیض حاصل کرتا ہے اور اس کے یہ معنے ہیں کہ اے رحم خاص سے دُعاؤں کے قبول کرنے والے! ان رسولوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کی راہ ہم کو دکھا جنہوں نے دُعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع و اقسام کے معارف اور حقائق اور کشوف اور الہامات کا انعام پایا اور دائمی دُعا اور تضرّع اور اعمالِ صالحہ سے معرفتِ تامہ کو پہنچے۔

رحیمیت کے مفہوم میں نقصان کا تدارک کرنا لگا ہوا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر فضل نہ ہوتا تو نجات نہ ہوتی۔ ایسا ہی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے سوال کیا کہ یا حضرت! کیا آپ کا بھی یہی حال ہے آپ نے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا ہاں۔ نادان اور احمق عیسائیوں نے اپنی نافہمی اور ناواقفی کی وجہ سے اعتراض کئے ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ یہ آپ کی کمال عبودیت کا اظہار تھا۔

جو خدا تعالیٰ کی ربوبیت کو جذب کر رہا تھا۔ ہم نے خود تجربہ کر کے دیکھا ہے اور متعدد مرتبہ آزمایا ہے بلکہ ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ جب انکسار اور تذلّل کی حالت انتہا کو پہنچی ہے اور ہماری روح اس عبودیت اور فروتنی میں بہہ نکلتی ہے اور آستانہ حضرت واہب العطایا پر پہنچ جاتی ہے تو ایک روشنی اور نُور اوپر سے اُترتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک نالی کے ذریعہ سے مصفّا پانی دوسری نالی میں پہنچتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت جس قدر بعض مقامات پر فروتنی اور انکساری میں کمال پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ اُسی قدر آپ روح القدس کی تائید اور روشنی سے مؤیّد اور منوّر ہیں۔ جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی اور فعلی حالت سے دکھایا ہے یہاں تک کہ آپ کے انوار و برکات کا دائرہ اسی قدر وسیع ہے کہ ابدالآباد تک اسی کا نمونہ اور ظلّ نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جو کچھ خدا تعالیٰ کا فیض اور فضل نازل ہو رہا ہے وہ آپ ہی کی اطاعت اور آپ ہی کے اتباع سے ملتا ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ کوئی شخص حقیقی نیکی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی رضا کو پانے والا نہیں ٹھہر سکتا اور ان انعام و برکات اور معارف اور حقائق اور کشوف سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا جو اعلیٰ درجہ کے تزکیہ نفس پر ملتے ہیں جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھویا نہ جائے اور اس کا ثبوت خود خدا تعالیٰ کے کلام سے ملتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۲) اور خدا تعالیٰ کے اس دعویٰ کی عملی اور زندہ دلیل مَیں ہوں اُن نشانات کے ساتھ جو خدا تعالیٰ کے محبوبوں اور ولیوں کے قرآن شریف میں مقرر ہیں مجھے شناخت کرو۔ غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا کمال یہاں تک ہے کہ اگر کوئی بڑھیا بھی آپ کا ہاتھ پکڑتی تھی تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے اور اُس کی باتوں کو نہایت توجہ سے سنتے اور جب تک کہ وہ خود آپ کو نہ چھوڑتی آپ نہ چھوڑتے تھے اور پھر غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے بالمقابل ہے۔ اس کا ورد کرنے والا چشمہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے فیض پاتا ہے جس کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ اے جزا و سزا کے دن کے مالک! ہمیں اس سے بچا کہ یہودیوں کی طرح جو دنیا میں طاعون وغیرہ بلاؤں کا نشانہ ہوئے اور اُس کے غضب سے ہلاک ہو گئے یا نصاریٰ کی طرح نجات کی راہ کھو بیٹھیں اس میں یہود کا نام مغضوب اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان کی شامتِ اعمال سے دنیا میں بھی اُن پر عذاب آیا کیونکہ اُنہوں نے خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں اور راست بازوں کی تکذیب کی اور بہت سی تکلیفیں پہنچائیں اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے جو یہاں سورہ فاتحہ میں یہودیوں کی راہ سے بچنے کی ہدایت فرمائی اور اس سورہ کو

الضَّآلِّيْنَ پر ختم کیا یعنی ان کی راہ سے بھی بچنے کی ہدایت فرمائی تو اس میں کیا سرّ تھا اس میں یہی راز تھا کہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک قسم کا زمانہ آنے والا ہے جب کہ یہود کی تتبع کرنے والے ظاہر پرستی کریں گے اور استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے خدا کے راستباز کی تکذیب کے لئے اُٹھیں گے جیسا کہ یہود نے مسیح ابن مریم کی تکذیب کی تھی اور انہیں یہی مصیبت پیش آئی کہ اُنہوں نے اس کی تاویل پر ٹھٹھا کیا اور کہا کہ اگر خدا کا یہی مطلب تھا کہ ایلیا کا مثیل آئے گا تو کیوں خدا نے اپنی پیشگوئی میں اس کی صراحت نہ کی غرض اسی روش اور طریق پر اس وقت ہمارے مخالفوں نے بھی قدم مارا ہے اور میری تکذیب اور ایذاء دہی میں انہوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا یہاں تک کہ میرے قتل کے فتوے دیئے اور طرح طرح کے حیلوں اور مکروں سے مجھے ذلیل کرنا اور نابود کرنا چاہا۔ اگر خدا تعالیٰ کے فضل سے گورنمنٹ برطانیہ کا اس ملک میں راج نہ ہوتا تو یہ مدت سے میرے قتل سے دل خوش کر لیتے مگر خدا تعالیٰ نے ان کو ان کی ہر مراد میں نامراد کیا اور وہ جو اُس کا وعدہ تھا کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ:۶۸) وہ پورا ہوا۔

غرض اس دُعا میں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ (عَلَیْھِمْ) کا فرقہ مسلمانوں کے ایک گروہ کی اس حالت کا پتہ دیتا ہے جو وہ مسیح موعود کے مقابل مخالفت اختیار کرے گا اور ایسا ہی الضَّآلِّیْنَ سے مسیح موعود کے زمانہ کا پتہ لگتا ہے کہ اس وقت صلیبی فتنہ کا زور اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ جاوے گا اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے جو سلسلہ قائم کیا جاوے گا وہ مسیح موعود ہی کا سلسلہ ہوگا اور اسی لئے احادیث میں مسیح موعود کا نام خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کاسر الصّلیب رکھا ہے کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ ہر ایک مجدّد فتن موجودہ کی اصلاح کے لئے آتا ہے اب اس وقت خدا کے لئے سوچو تو کیا معلوم نہ ہوگا کہ صلیبی نجات کی تائید میں قلم اور زبان سے وہ کام لیا گیا ہے کہ اگر صفحات عالم کو ٹٹولا جائے تو باطل پرستی کی تائید میں یہ سرگرمی اور زمانہ میں ثابت نہ ہوگی اور جبکہ صلیبی فتنہ کے حامیوں کی تحریریں اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی ہیں اور توحید حقیقی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت، عزت اور حقانیت اور کتاب اللہ کے من جانب اللہ ہونے پر ظلم اور زور کی راہ سے حملے کئے گئے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا نہیں ہونا چاہئے کہ اس کاسر الصّلیب کو اُس وقت نازل کرے؟؟؟ کیا خدا تعالیٰ اپنے وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۱۰) کو بھول گیا؟ یقیناً یاد رکھو کہ خدا کے وعدے سچے ہیں۔ اس نے اپنے وعدہ کے موافق دنیا میں ایک نذیر بھیجا ہے۔ دنیا نے اس کو قبول نہ کیا مگر خدا تعالیٰ اس کو ضرور قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو

ظاہر کرے گا۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق مسیح موعود ہو کر آیا ہوں چاہو تو قبول کرو چاہو تو رد کرو۔ (الحکم نمبر ۳۴ جلد ۵، مؤرخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱، ۲)

خدا تعالیٰ کی چار اعلیٰ درجہ کی صفتیں ہیں جو اُمّ الصِّفات ہیں اور ہر ایک صفت ہماری بشریت سے ایک امر مانگتی ہے اور وہ چار صفتیں یہ ہیں۔ ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت یوم الدّین۔ (۱) ربوبیت اپنے فیضان کے لئے عدم محض یا مشابہ بالعدم کو چاہتی ہے اور تمام انواع مخلوق کی جاندار ہوں یا غیر جاندار اسی سے پیرایہ وجود پہنتے ہیں۔ (۲) رحمانیت اپنے فیضان کے لئے صرف عدم کو ہی چاہتی ہے۔ یعنی اُس عدمِ محض کو جس کے وقت میں وجود کا کوئی اثر اور ظہور نہ ہو اور صرف جانداروں سے تعلق رکھتی ہے اور چیزوں سے نہیں۔ (۳) رحیمیت اپنے فیضان کے لئے موجود ذوالعقل کے مُنہ سے نیستی اور عدم کا اقرار چاہتی ہے اور صرف نوع انسان سے تعلق رکھتی ہے۔ (۴) مالکیت یوم الدّین اپنے فیضان کے لئے فقیرانہ تضرّع اور الحاح کو چاہتی ہے اور صرف اُن انسانوں سے تعلّق رکھتی ہے جو گداؤں کی طرح حضرت احدیّت کے آستانہ پر گرتے ہیں اور فیض پانے کے لئے دامنِ افلاس پھیلاتے ہیں اور سچ مچ اپنے تئیں تہی دست پا کر خدا تعالیٰ کی مالکیّت پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ چار الٰہی صفتیں ہیں جو دنیا میں کام کر رہی ہیں اور ان میں سے جو رحیمیّت کی صفت ہے وہ دُعا کی تحریک کرتی ہے اور مالکیّت کی صفت خوف اور قلق کی آگ سے گداز کر کے سچا خشوع اور خضوع پیدا کرتی ہے کیونکہ اس صفت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ مالکِ جزا ہے کسی کا حق نہیں جو دعوے سے کچھ طلب کرے اور مغفرت اور نجات محض فضل پر ہے۔

اب خلاصۂ کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کی یہ چار صفتیں ہیں جو قرآنی تعلیم اور تحقیق عقل سے ثابت ہوتی ہیں اور منجملہ ان کے رحیمیّت کی صفت ہے جو تقاضا کرتی ہے کہ کوئی انسان دعا کرے تا اس دعا پر فیوضِ الٰہی نازل ہوں۔ ہم نے براہین احمدیہ اور کرامات الصادقین میں بھی یہ ذکر لکھا ہے کہ کیونکر یہ چاروں صفتیں لف ونشر مرتّب کے طور پر سورہ فاتحہ میں بیان کی گئی ہیں اور کیونکر صحیفۂ فطرت پر نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ اسی ترتیب سے جو سورہ فاتحہ میں ہے یہ چاروں صفتیں خدا کی فعلی کتاب قانونِ قدرت میں پائی جاتی ہیں۔ اب دعا سے انکار کرنا یا اس کو بے سود سمجھنا یا جذبِ فیوض کے لئے اس کو ایک محرّک قرار نہ دینا گویا خدا تعالیٰ کی تیسری صفت سے جو رحیمیّت ہے انکار کرنا ہے۔ مگر یہ انکار در پردہ دہریّت کی طرف ایک حرکت ہے کیونکہ

رحیمیت ہی ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ سے باقی تمام صفات پر یقین بڑھتا اور کمال تک پہنچتا ہے۔ وجہ یہ کہ جب ہم خدا تعالیٰ کی رحیمیت کے ذریعہ سے اپنی دعاؤں اور تضرعات پر الٰہی فیضوں کو پاتے ہیں اور ہر ایک قسم کی مشکلات حل ہوتی ہیں تو ہمارا ایمان خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت اور رحمت اور دوسری صفات کی نسبت بھی حق الیقین تک پہنچتا ہے اور ہمیں چشم دید ماجرا کی طرح سمجھ آ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ درحقیقت حمد اور شکر کا مستحق ہے اور درحقیقت اس کی ربوبیت اور رحمانیت اور دوسری صفات سب درست اور صحیح ہیں لیکن بغیر رحیمیت کے ثبوت کے دوسری صفات بھی مشتبہ رہتی ہیں۔

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۲ تا ۲۴۴)

واضح رہے کہ اللہ جل شانہ نے سورہ فاتحہ میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے بعد ان صفاتِ اربعہ کو چار سرچشمہ فیض قرار دے کر اس سورۃ کے مابعد کی آیتوں میں بطور لف ونشر مرتب ہر ایک چشمہ سے فیض مانگنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے فقرہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ تک پانچ جدا جدا امر ہیں۔ (۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (۲) دوسرے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۳) تیسرے الرَّحْمٰنُ (۴) چوتھے الرَّحِیْمُ (۵) مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اور مابعد کے پانچ فقرے ان پانچوں کے لحاظ سے بصورت لف ونشر مرتب ان کے مقابل پر واقع ہیں۔ جیسا کہ فقرہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے مقابل پر ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ عبادت کے لائق وہی ذات کامل الصفات ہے جس کا نام اللہ ہے اور فقرہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ فقرہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے مقابل پر واقع ہے جس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ سرچشمہ ربوبیت سے جو ایک نہایت عام سرچشمہ ہے ہم مدد طلب کرتے ہیں کیونکہ بغیر خدا تعالیٰ کے فیض ربوبیت کے ظاہری یا باطنی طور پر نشوونما پانا یا کوئی پاک تبدیلی حاصل کرنا اور روحانی پیدائش سے حصہ لینا امر محال ہے۔ اور فقرہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ فقرہ الرَّحْمٰنِ کے مقابل پر واقع ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کا ورد کرنے والا الرَّحْمٰنُ کے چشمہ سے فیض طلب کرتا ہے۔ کیونکہ ہدایت پانا کسی کا حق نہیں ہے بلکہ محض رحمانیتِ الٰہی سے یہ دولت حاصل ہوتی ہے۔ اور فقرہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ فقرہ اَلرَّحِیْمُ کے مقابل پر واقع ہے۔ اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کا ورد کرنے والا چشمہ اَلرَّحِیْمِ سے فیض طلب کرتا ہے کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اے دعاؤں کو رحم خاص سے قبول کرنے والے! ان رسولوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی راہ ہمیں دکھلا جنہوں نے دُعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع اقسام کے معارف اور حقائق اور کشوف اور الہامات کا انعام پایا اور دائمی دعا اور

تضرّع اور اعمال صالحہ سے معرفتِ تامہ تک پہنچ گئے۔ اور فقرہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فقرہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے مقابل پر واقع ہے اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا ورد کرنے والا چشمہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے فیض طلب کرتا ہے۔ اور اس کے یہ معنے ہیں کہ اے جزا و سزا کے دن کے مالک ہمیں اس سزا سے بچا کہ ہم دنیا میں یہودیوں کی طرح طاعون وغیرہ بلاؤں میں تیرے غضب کی وجہ سے مبتلا ہوں یا نصاریٰ کی طرح نجات کی راہ گُم کر کے آخرت میں عذاب کے مستحق ہوں۔ اس آیت میں نصاریٰ کا نام ضالّین اس لئے رکھا ہے کہ دنیا میں ان پر کوئی غضبِ الٰہی کا عذاب نازل نہیں ہوا صرف وہ لوگ اُخروی نجات کی راہ گم کر بیٹھے ہیں اور آخرت میں قابلِ مؤاخذہ ہیں۔ مگر یہود کا نام مغضوب علیہم اس واسطے رکھا ہے کہ یہود پر دنیا میں ہی اُن کی شامتِ اعمال سے بڑے بڑے عذاب نازل ہوئے ہیں۔ منجملہ اُن کے عذاب طاعون ہے چونکہ یہود نے خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں اور راستباز بندوں کی صرف تکذیب نہیں کی بلکہ بہتوں کو ان میں سے قتل کیا یا قتل کا ارادہ کیا اور بدزبانی سے بھی بہت تکلیفیں پہنچاتے رہے اس لئے غیرتِ الٰہی نے بعض اوقات جوش میں آ کر اُن کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا۔ بسا اوقات لاکھوں یہودی طاعون کے عذاب سے مارے گئے اور کئی دفعہ ہزاروں اُن میں سے قتل کئے گئے اور یا اسیر ہو کر دوسرے ملکوں میں نکالے گئے۔ غرض وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ہمیشہ مغضوب علیہم رہے چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ ایک ٹیڑھی قوم ہے اس لئے توریت میں اکثر دنیا کے عذابوں سے ان کو ڈرایا گیا تھا۔ غرض اُن پر ہولناک طور پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا رہا کیونکہ وہ لوگ خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو ہاتھ اور زبان سے دکھ دیتے تھے اسی وجہ سے دنیا میں ہی ان پر غضب بھڑکا تا وہ ان لوگوں کے لئے نمونہ عبرت ہوں کہ جو آئندہ کسی زمانہ میں خدا کے ماموروں اور راست باز بندوں کو عمداً دُکھ دیں اور اُن کو ستاویں اور اُن کے قتل کرنے یا ذلیل کرنے کے لئے بدارادے دل میں رکھیں۔ سو اس دعا کے سکھلانے میں درپردہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تم یہودیوں کے خُلق اور خُو سے باز رہو اور اگر کوئی مامور من اللہ تم میں پیدا ہو تو یہودیوں کی طرح اُس کی ایذا اور توہین اور تکفیر میں جلدی نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم سچے کو جھوٹا ٹھہرا کر اور پھر طرح طرح کے دُکھ اس کو دے کر اور بدزبانی سے اس کی آبروریزی کر کے یہودیوں کی طرح موردِ غضبِ الٰہی ہو جاؤ لیکن افسوس کہ اس اُمّت کے لوگ بھی ہمیشہ ٹھوکر کھاتے رہے اور انہوں نے بدقسمت یہودیوں کے قصوں سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ (ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۲ تا ۲۵۴)

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ۝

چھٹی صداقت جو سورۃ فاتحہ میں مندرج ہے اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اے صاحب صفاتِ کاملہ اور مبدء فیوض اربعہ ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور پرستش وغیرہ ضرورتوں اور حاجتوں میں مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں یعنی خالصاً معبود ہمارا تُو ہی ہے اور تیرے تک پہنچنے کے لئے کوئی اَور دیوتا ہم اپنا ذریعہ قرار نہیں دیتے نہ کسی انسان کو، نہ کسی بُت کو، نہ اپنی عقل اور علم کو کچھ حقیقت سمجھتے ہیں اور ہر بات میں تیری ذات قادر مطلق سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ صداقت بھی ہمارے مخالفین کی نظر سے چھپی ہوئی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ بُت پرست لوگ بجز ذات واحد خدائے تعالیٰ کے اَور اَور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں اور آریہ سماج والے اپنی روحانی طاقتوں کو غیر مخلوق سمجھ کر ان کے زور سے مکتی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ برہمو سماج والے الہام کی روشنی سے مونہہ پھیر کر اپنی عقل کو ایک دیوی قرار دے بیٹھے ہیں جو کہ ان کے زعم باطل میں خدا تک پہنچانے میں اختیار کلّی رکھتی ہے اور سب الٰہی اسرار پر محیط اور متصرّف ہے سو وہ لوگ بجائے خدا کی پرستش اور استمداد کے اسی سے اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ کا خطاب کر رہے ہیں اور شرک خفی میں گرفتار اور مبتلا ہیں اور جب منع کیا جائے تو کہتے ہیں عقل عطیات الٰہیہ سے ہے اور اسی غرض سے دی گئی ہے کہ تا انسان اپنی معاش اور مہمات میں اس کو استعمال میں لاوے۔ پس عطیہ الٰہیہ کا استعمال میں لانا شرک نہیں بن سکتا سو واضح ہو کہ یہ ان کی غلطی ہے اور بارہا یہ امر معرض بیان میں آ لیا ہے کہ جس یقین کامل اور جن معارف حقہ پر ہماری نجات موقوف ہے ان مقاصد عالیہ کے حصول کے لئے عقل ذریعہ نہیں بن سکتی۔ ہاں ان معارف کے حاصل کرنے کے بعد ان کی صداقت اور سچائی کو سمجھ سکتی ہے لیکن وہ انکشاف صحیح اور کامل فقط اس پاک اور صاف روشنی سے ہوتا ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کی ذات میں موجود ہے اور عقل کی دودآمیز اور ناقص روشنی جو انسان میں موجود ہے اس جگہ عاجز ہے۔ سو شرک اس طرح لازم آتا ہے کہ برہمو سماج والے خدا کے اس روشن کلام سے کہ جو انکشاف صحیح اور کامل کا مدار ہے مونہہ پھیر کر اور اس سے بکلّی بے نیازی ظاہر کر کے اپنی ہی عقل ناقص کو رہبر مطلق ٹھہراتے ہیں اور بنائے کار بناتے ہیں۔ سو ان کا دل بیمار اس دھوکہ میں پڑا ہوا ہے کہ جس منزل عالی تک الٰہی قوتیں اور ربانی تجلّیات پہنچا سکتے ہیں اس منزل تک ان کی اپنی ہی عقل پہنچا دے گی۔

اب ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا شرک ہوگا کہ اپنی عقل کی طاقت کو ربانی طاقت کے مساوی بلکہ اس سے عمدہ تر خیال کر رہے ہیں۔ سو دیکھئے وہی بات سچ نکلی یا نہیں کہ وہ بجائے خدا کے عقل سے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پکار رہے ہیں عیسائیوں کا حال بیان کرنا کچھ ضرورت ہی نہیں۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرات عیسائی بجائے اس کے کہ خداوند تعالیٰ کی خالص طور پر پرستش کریں مسیح کی پرستش میں مشغول ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنے کاروبار میں خدا سے مدد چاہیں مسیح سے مدد مانگتے رہتے ہیں اور ان کی زبانوں پر ہر وقت رَبُّنَا الْمَسِيْح! رَبُّنَا الْمَسِيْح! جاری ہے۔ سو وہ لوگ مضمون اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر عمل کرنے سے محروم اور راندہ درگاہ الٰہی ہیں۔ (براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۲۵ تا ۵۳۲ حاشیہ نمبر ۱۱)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں فاصلہ نہیں ہے۔ البتہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں تقدم زمانی ہے کیونکہ جس حال میں اپنی رحمانیت سے بغیر ہماری دُعا اور درخواست کے ہمیں انسان بنایا اور انواع واقسام کی قوتیں اور نعمتیں عطا فرمائیں۔ اُس وقت ہماری دُعا نہ تھی۔ اس وقت خدا کا فضل تھا۔ اور یہی تقدم ہے۔

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹۔ نیز دیکھیں الحکم جلد ۵ نمبر ۳۲ مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ سے ہی امداد چاہتے ہیں۔ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو تقدم اس لئے ہے کہ انسان دُعا کے وقت تمام قویٰ سے کام لے کر خدائے تعالیٰ کی طرف آتا ہے۔ یہ ایک بے ادبی اور گستاخی ہے کہ قویٰ سے کام نہ لے کر اور قانونِ قدرت کے قواعد سے کام نہ لے کر آوے مثلاً کسان اگر تخم ریزی کرنے سے پہلے ہی یہ دُعا کرے کہ الٰہی اس کھیت کو ہرا بھرا کر! اور پھل پھول لا۔ تو یہ شوخی اور ٹھٹھا ہے۔ اسی کو خدا کا امتحان اور آزمائش کہتے ہیں جس سے منع کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ خدا کو مت آزماؤ۔ جیسا کہ مسیح علیہ السلام کے مائدہ مانگنے کے قصہ میں اس امر کو بوضاحت بیان کیا ہے۔ اس پر غور کرو اور سوچو! یہ سچی بات ہے کہ جو شخص اعمال سے کام نہیں لیتا وہ دُعا نہیں کرتا بلکہ خدائے تعالیٰ کی آزمائش کرتا ہے۔ اس لئے دُعا کرنے سے پہلے اپنی تمام طاقتوں کو خرچ کرنا ضروری ہے۔ اور یہی معنی اس دُعا کے ہیں۔ پہلے لازم ہے کہ انسان اپنے اعتقاد، اعمال میں نظر کرے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کی عادت ہے کہ اصلاح اسباب کے پیرایہ میں ہوتی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی ایسا سبب پیدا کر دیتا ہے کہ جو اصلاح کا موجب ہو جاتا ہے وہ لوگ اس مقام پر ذرا خاص غور کریں جو کہتے ہیں کہ جب دُعا ہوئی تو اسباب کی کیا ضرورت ہے۔ وہ نادان سوچیں کہ دُعا بجائے خود ایک مخفی سبب ہے جو دوسرے اسباب کو پیدا کر دیتا ہے اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا تقدم اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر جو کلمہ دُعائیہ ہے۔ اس امر کی خاص تشریح کر رہا ہے۔

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۳۵)

قَدَّمَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ قَوْلَهٗ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" عَلٰى قَوْلِهٖ "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" إِشَارَةٌ إِلٰى تَفَضُّلَاتِهِ الرَّحْمَانِيَّةِ مِنْ قَبْلِ الْاِسْتِعَانَةِ فَكَأَنَّ الْعَبْدَ يَشْكُرُ رَبَّهٗ وَ يَقُوْلُ يَا رَبِّ إِنِّيْ أَشْكُرُكَ عَلٰى نِعَمَآئِكَ الَّتِيْ أَعْطَيْتَنِيْ مِنْ قَبْلِ دُعَآئِيْ وَ مَسْأَلَتِيْ وَ عَمَلِيْ وَ جَهْدِيْ وَ اسْتِعَانَتِيْ بِالرُّبُوْبِيَّةِ وَ الرَّحْمَانِيَّةِ الَّتِيْ سَبَقَتْ سُؤَلَ السَّآئِلِيْنَ ثُمَّ أَطْلُبُ مِنْكَ قُوَّةً وَّ صَلَاحًا وَّ فَلَاحًا وَّ فَوْزًا وَّ مَقَاصِدَ الَّتِيْ لَا تُعْطٰى إِلَّا بَعْدَ الطَّلَبِ وَ الْاِسْتِعَانَةِ وَ الدُّعَآءِ وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُعْطِيْنَ. وَ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ حَثٌّ عَلٰى شُكْرِ مَا تُعْطٰى وَ الدُّعَآءِ بِالصَّبْرِ فِيْمَا تَتَمَنّٰى وَ فَرْطِ اللَّهَجِ إِلٰى مَا هُوَ أَتَمُّ وَ أَعْلٰى لِتَكُوْنَ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ الصَّابِرِيْنَ. وَ فِيْهَا حَثٌّ عَلٰى نَفْيِ الْحَوْلِ وَ الْقُوَّةِ وَ الْاِسْتِطْرَاجِ بَيْنَ يَدَيْ سُبْحَانَهٗ مُتَرَقِّبًا مُنْتَظِرًا مُدِيْمًا لِّلسُّؤَالِ وَ الدُّعَآءِ وَ التَّضَرُّعِ وَ الثَّنَآءِ وَ الْاِفْتِقَارِ مَعَ الْخَوْفِ وَ الرَّجَآءِ كَالطِّفْلِ الرَّضِيْعِ فِيْ يَدِ الظِّئْرِ وَ

اللہ تعالیٰ نے جملہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کو جملہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے پہلے رکھا ہے اور اس میں (بندہ کے) توفیق مانگنے سے بھی پہلے اس (ذاتِ باری) کی (صفت) رحمانیت کے فیوض کی طرف اشارہ ہے گویا کہ بندہ اپنے ربّ کا شکر ادا کرتا ہے اور کہتا ہے۔ اے میرے پروردگار میں تیری ان نعمتوں پر تیرا شکر ادا کرتا ہوں جو تُو نے میری دُعا، میری درخواست، میرے عمل، میری کوشش اور جو (تیری) اس ربوبیت اور رحمانیت سے جو سوال کرنے والوں کے سوال پر سبقت رکھتی ہے۔ میری استعانت سے پیشتر تُو نے مجھے عطا کر رکھی ہیں۔ پھر میں تجھ سے ہی (ہر قسم کی) قوت، راستی، خوشحالی اور کامیابی اور اُن مقاصد کے حاصل ہونے کے لئے التجا کرتا ہوں جو درخواست کرنے، مدد مانگنے اور دُعا کرنے پر ہی عطا کی جاتی ہیں اور تو بہترین عطا کرنے والا ہے۔ اور ان آیات میں ان نعمتوں پر شکر کرنے کی ترغیب ہے جو تجھے دی جاتی ہیں اور جن چیزوں کی تجھے تمنا ہو ان کے لئے صبر کے ساتھ دُعا کرنے اور کامل اور اعلیٰ چیزوں کی طرف شوق بڑھانے کی (ترغیب ہے) تاتم بھی مستقل شکر کرنے والوں اور صبر کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔ پھر ان (آیات) میں ترغیب دی گئی ہے۔ بندے کے اپنی طرف ہمت اور قوت کی نسبت کی نفی کرنے کی اور (اس سے) آس لگا کر اور امید رکھ کر ہمیشہ سوال، دُعا، عاجزی اور حمد کرتے ہوئے (اپنے آپ کو) اللہ سبحانہٗ کے سامنے ڈال دینے کی اور خوف اور امید کے ساتھ اس شیر خوار بچہ کی مانند جو دایہ کی گود میں ہو (اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا) محتاج سمجھنے کی (ترغیب ہے) اور تمام مخلوق سے اور

الْمَوْتِ عَنِ الْخَلْقِ وَ عَنْ كُلِّ مَا هُوَ فِي الْأَرْضِيْنَ. وَ فِيْهَا حَثٌّ عَلَى إِقْرَارٍ وَ اعْتِرَافٍ بِأَنَّنَا الضُّعَفَآءُ لَا نَعْبُدُكَ إِلَّا بِكَ وَ لَا نَتَحَسَّسُ مِنْكَ إِلَّا بِعَوْنِكَ. بِكَ نَعْمَلُ وَ بِكَ نَتَحَرَّكُ وَ إِلَيْكَ نَسْعٰى كَالْقَوَابِلِ مُتَحَرِّقِيْنَ وَ كَالْعُشَّاقِ مُتَلَظِّيْنَ. وَ فِيْهَا حَثٌّ عَلَى الْخُرُوْجِ مِنَ الْاِخْتِيَالِ وَ الزَّهْوِ وَ الْاِعْتِصَامِ بِقُوَّةِ اللهِ تَعَالٰى وَ حَوْلِهٖ عِنْدَ اعْتِيَاصِ الْأُمُوْرِ وَ هُجُوْمِ الْمُشْكِلَاتِ وَالدُّخُوْلِ فِي الْمُنْكَسِرِيْنَ. كَأَنَّهٗ تَعَالٰى شَأْنُهٗ يَقُوْلُ يَا عِبَادِ احْسَبُوْا أَنْفُسَكُمْ كَالْمَيِّتِيْنَ وَبِاللهِ اعْتَضِدُوْا كُلَّ حِيْنٍ. فَلَا يَزْدَهِ الشَّآبُّ مِنْكُمْ بِقُوَّتِهٖ وَلَا يَتَخَطَّرُ الشَّيْخُ بِهِرَاوَتِهٖ وَلَا يَفْرَحُ الْكَيِّسُ بِدَهَآئِهٖ وَلَا يَثِقُ الْفَقِيْهُ بِصِحَّةِ عِلْمِهٖ وَ جَوْدَةِ فَهْمِهٖ وَ ذَكَآئِهٖ وَ لَا يَتَّكِئُ الْمُلْهَمُ عَلٰى إِلْهَامِهٖ وَ كَشْفِهٖ وَخُلُوْصِ دُعَآئِهٖ فَإِنَّ اللهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ وَيَطْرُدُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يُدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِي الْمَخْصُوْصِيْنَ وَ فِي جُمْلَةِ "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" إِشَارَةٌ إِلٰى

زمین کی سب چیزوں سے موت (یعنی پوری لاتعلقی) کی۔ اسی طرح ان (آیات) میں اس امر کا اقرار اور اعتراف کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ ہم تو بہت کمزور ہیں۔ تیری دی ہوئی توفیق کے بغیر تیری عبادت نہیں کر سکتے اور تیری مدد کے بغیر ہم تیری رضا کی راہوں کی تلاش نہیں کر سکتے۔ ہم تیری مدد سے کام کرتے ہیں اور تیری مدد سے حرکت کرتے ہیں اور ہم تیری طرف جلن کے ساتھ ان عورتوں کی طرح جو اپنے بچوں کی موت کے غم میں گھل رہی ہوتی ہیں اور ان عاشقوں کی طرح جو محبت میں جل رہے ہوتے ہیں تیری طرف دوڑتے ہیں۔ پھر ان آیات میں کبر اور غرور کو چھوڑنے کی نیز معاملات کے پیچیدہ ہونے اور مشکلات کے گھیر لینے پر محض اللہ تعالیٰ کی (طرف سے ملنے والی) طاقت اور قوت پر بھروسہ کرنے کی اور منکسر المزاج لوگوں میں شامل ہونے کی (ترغیب ہے) گویا کہ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے اے میرے بندو اپنے آپ کو مُردوں کی طرح سمجھو اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے قوت حاصل کرو۔ پس تم میں سے نہ کوئی جوان اپنی قوت پر اِترائے اور نہ کوئی بوڑھا اپنی لاٹھی پر بھروسہ کرے اور نہ کوئی عقلمند اپنی عقل پر ناز کرے اور نہ کوئی فقیہ اپنے علم کی صحت اور اپنی سمجھ اور اپنی دانائی کی عمدگی ہی پر اعتبار کرے اور نہ کوئی ملہم اپنے الہام یا اپنے کشف یا اپنی دُعاؤں کے خلوص پر تکیہ کرے کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو چاہے دھتکار دیتا ہے اور جس کو چاہے اپنے خاص بندوں میں داخل کر لیتا ہے۔ اور اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں نفسِ امارہ کی شرانگیزی کی شدت کی طرف اشارہ ہے جو

عَظَمَةِ شَرِّ النَّفْسِ الْأَمَّارَةِ الَّتِي تَسْعٰى كَالْعَسَّارَةِ فَكَأَنَّهَا أَفْعٰى شَرُّهَا قَدْ طَمَّ فَجَعَلَ كُلَّ سَلِيْمٍ كَعَظْمٍ إِذَا رَمَّ وَ تَرَاهَا تَنْفُثُ السَّمَّ أَوْ هِيَ ضِرْغَامٌ مَّا يَنْكُلُ إِنْ هَمَّ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ وَ لَا كَسْبَ وَ لَا لَمَّ إِلَّا بِاللهِ الَّذِي هُوَ يَرْجُمُ الشَّيَاطِيْنَ۔

نیکیوں کی طرف راغب ہونے سے یوں بھاگتا ہے۔ جیسے اَن سدھی اونٹنی سوار کو اپنے اوپر بیٹھنے نہیں دیتی۔ اور بھاگتی ہے۔ یا وہ ایک اژدہا کی طرح ہے جس کا شر بہت بڑھ گیا ہے اور اس نے ہڈ سے ہوئے کو بوسیدہ ہڈی کی طرح بنا دیا ہے اور تو دیکھ رہا ہے کہ وہ زہر پھونک رہا ہے یا وہ شیر (کی طرح) ہے کہ اگر حملہ کرے تو پیچھے نہیں ہٹتا۔ کوئی طاقت، قوت، کمائی، اندوختہ (کارآمد) نہیں سوائے اس خدا تعالیٰ کی مدد کے جو شیطانوں کو ہلاک کرتا ہے۔

وَ فِيْ تَقْدِيْمِ نَعْبُدُ عَلٰى نَسْتَعِيْنُ نِكَاتٌ أُخْرٰى فَنَكْتُبُ لِلَّذِيْنَ هُمْ مَشْغُوْفُوْنَ بِآيَاتِ الْمَثَانِيْ لَا بِرَنَّاتِ الْمَثَانِيْ وَيَسْعَوْنَ إِلَيْهَا شَآئِقِيْنَ۔ وَهِيَ أَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُعَلِّمُ عِبَادَهٗ دُعَآءً فِيْهِ سَعَادَتُهُمْ فَيَقُوْلُ يَا عِبَادِ سَلُوْنِيْ بِالْإِنْكِسَارِ وَالْعُبُوْدِيَّةِ وَقُوْلُوْا رَبَّنَا إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلٰكِنْ بِالْمُعَانَاةِ وَالتَّكَلُّفِ وَ التَّحَشُّمِ وَتَفْرِقَةِ الْخَاطِرِ وَ تَمْوِيْهَاتِ الْخَنَّاسِ وَبِالرَّوِيَّةِ النَّاضِبَةِ وَالْأَوْهَامِ النَّاصِبَةِ وَ الْخَيَالَاتِ الْمُظْلِمَةِ كَمَآءٍ مُّكَدَّرٍ مِّنْ سَيْلٍ أَوْ كَحَاطِبِ لَيْلٍ وَإِنْ نَّتَّبِعُ إِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ۔

اور نَعْبُدُ کو نَسْتَعِيْنُ سے پہلے رکھنے میں اور بھی کئی نکات ہیں جنہیں ہم ان لوگوں کے لئے یہاں لکھتے ہیں جو سارنگیوں کی رُوں رُوں پر نہیں بلکہ قرآنی آیات مثانی (سورۃ فاتحہ) سے شغف رکھتے ہیں۔ اور مشتاقوں کی طرح ان کی طرف لپکتے ہیں اور وہ (نکات) یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک ایسی دُعا سکھاتا ہے جس میں ان کی خوش بختی ہے اور کہتا ہے اے میرے بندو! مجھ سے عاجزی اور عبودیت کے ساتھ سوال کرو اور کہو اے ہمارے ربّ! اِيَّاكَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) لیکن بڑی ریاضت، تکلیف، شرمساری، پریشان خیالی اور شیطانی وسوسہ اندازی اور خشک افکار اور تباہ کن اوہام اور تاریک خیالات کے ساتھ ہم سیلاب کے گدلے پانی کی مانند ہیں یا رات کو لکڑیاں اکٹھا کرنے والے کی طرح ہیں اور ہم صرف گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین حاصل نہیں۔

وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ يَعْنِيْ نَسْتَعِيْنُكَ

(اور پھر) وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہو۔ یعنی ہم تجھ سے ہی مدد

لِلذَّوْقِ وَ الشَّوْقِ وَ الْحُضُوْرِ وَ الْإِيْمَانِ الْمَوْفُوْرِ وَ التَّلْبِيَةِ الرُّوْحَانِيَّةِ وَ السُّرُوْرِ وَ النُّوْرِ وَ لِتَوْشِيْحِ الْقَلْبِ بِحُلِيِّ الْمَعَارِفِ وَحُلَلِ الْحُبُوْرِ لِنَكُوْنَ بِفَضْلِكَ مِنْ سَبَّاقِيْنَ فِيْ عَرَصَاتِ الْيَقِيْنِ وَإِلَى مُنْتَهَى الْمَآرِبِ وَاصِلِيْنَ وَفِيْ بِحَارِ الْحَقَآئِقِ مُتَوَرِّدِيْنَ. وَفِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" تَنْبِيْهٌ اٰخَرُ وَهُوَ أَنَّهٗ يُرَغِّبُ فِيْهِ عِبَادَهٗ إِلٰى أَنْ يَّبْذُلُوْا فِيْ مُطَاوَعَتِهٖ جُهْدَ الْمُسْتَطِيْعِ وَ يَقُوْمُوْا مُلَبِّيْنَ فِيْ كُلِّ حِيْنٍ تَلْبِيَةَ الْمُطِيْعِ. فَكَأَنَّ الْعِبَادَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا إِنَّا لَا نَأْلُوْا فِي الْمُجَاهَدَاتِ وَفِي امْتِثَالِكَ وَابْتِغَآءِ الْمَرْضَاةِ وَلٰكِنْ نَّسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَكْفِيْ بِكَ الْإِفْتِتَانَ بِالْعُجْبِ وَ الرِّيَآءِ وَ نَسْتَوْهِبُ مِنْكَ تَوْفِيْقًا قَآئِدًا إِلَى الرُّشْدِ وَالرِّضَآءِ وَ إِنَّا ثَابِتُوْنَ عَلٰى طَاعَتِكَ وَ عِبَادَتِكَ فَاكْتُبْنَا فِي الْمُطَاوِعِيْنَ.

وَهٰهُنَا إِشَارَةٌ أُخْرٰى وَهِيَ أَنَّ الْعَبْدَ يَقُوْلُ يَا رَبِّ إِنَّا خَصَّصْنَاكَ بِمَعْبُوْدِيَّتِكَ وَ اٰثَرْنَاكَ عَلٰى كُلِّ مَا

مانگتے ہیں ذوق، شوق، حضورِ قلب، بھرپور ایمان (ملنے) کے لئے، روحانی طور پر (تیرے احکام پر) لبیک کہنے (کے لئے) سرور اور نور (کے لئے) اور معارف کے زیورات اور مسرت کے لباسوں کے ساتھ دل کو آراستہ کرنے کے لئے (تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں) تاہم تیرے فضل کے ساتھ یقین کے میدانوں میں سبقت لے جانے والے بن جائیں اور اپنے مقاصد کی انتہا کو پہنچ جائیں اور حقائق کے دریاؤں پر وارد ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے الفاظ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں ایک اور اشارہ ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس (آیت) میں اپنے بندوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت میں انتہائی ہمت اور کوشش خرچ کریں اور اطاعت گزاروں کی طرح ہر وقت لبیک لبیک کہتے ہوئے (اس کے حضور) کھڑے رہیں گویا کہ یہ بندے یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہم مجاہدات کرنے، تیرے احکام کے بجالانے اور تیری خوشنودی چاہنے میں کوئی کوتاہی نہیں کر رہے لیکن تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں اور عُجب اور ریا میں مبتلا ہونے سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور ہم تجھ سے ایسی توفیق طلب کرتے ہیں جو ہدایت اور تیری خوشنودی کی طرف لے جانے والی ہو اور ہم تیری اطاعت اور تیری عبادت پر ثابت قدم ہیں۔ پس تو ہمیں اپنے اطاعت گزار بندوں میں لکھ لے۔

اور یہاں ایک اور اشارہ بھی ہے اور وہ یہ کہ بندہ کہتا ہے کہ اے میرے ربّ! ہم نے تجھے معبودیت کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اور تیرے سوا جو کچھ بھی ہے اس پر تجھے ترجیح دی ہے پس ہم

سِوَاكَ فَلَا نَعْبُدُ شَيْئًا إِلَّا وَجْهَكَ وَإِنَّا مِنَ الْمُوَحِّدِيْنَ. وَ اخْتَارَ عَزَّ وَ جَلَّ لَفْظَ الْمُتَكَلِّمِ مَعَ الْغَيْرِ إِشَارَةً إِلَى أَنَّ الدُّعَاءَ لِجَمِيْعِ الْإِخْوَانِ لَا لِنَفْسِ الدَّاعِيْ وَ حَثَّ فِيْهِ عَلَى مُسَالَمَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اتِّحَادِهِمْ وَ وَدَادِهِمْ وَ عَلَى أَنْ يَّعْنُوَ الدَّاعِيْ نَفْسَهُ لِنُصْحِ أَخِيْهِ كَمَا يَعْنُوْ لِنُصْحِ ذَاتِهٖ وَيَهْتَمُّ وَ يَقْلَقُ لِحَاجَاتِهٖ كَمَا يَهْتَمُّ وَيَقْلَقُ لِنَفْسِهٖ وَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ أَخِيْهِ وَ يَكُوْنُ لَهٗ بِكُلِّ الْقَلْبِ مِنَ النَّاصِحِيْنَ. فَكَأَنَّهٗ تَعَالٰى يُوْصِيْ وَ يَقُوْلُ يَا عِبَادِ تَهَادُوْا بِالدُّعَاءِ تَهَادِي الْإِخْوَانِ وَ الْمُحِبِّيْنَ. وَ تَنَاثَفُوْا دَعَوَاتِكُمْ وَتَبَانَفُوْا نِيَّاتِكُمْ وَكُوْنُوْا فِي الْمَحَبَّةِ كَالْإِخْوَانِ وَالْآبَاءِ وَالْبَنِيْنَ.

تیری ذات کے سوا اور کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے اور ہم تجھے واحد اور یگانہ ماننے والوں میں سے ہیں۔اس آیت میں خدائے عزّوجلّ نے متکلم مع الغیر کا صیغہ اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اختیار فرمایا ہے کہ یہ دُعا تمام بھائیوں کے لئے ہے نہ صرف دُعا کرنے والے کی اپنی ذات کے لئے اور اس میں (اللہ نے) مسلمانوں کو باہمی مصالحت، اتحاد اور دوستی کی ترغیب دی ہے اور یہ کہ دُعا کرنے والا اپنے آپ کو اپنے بھائی کی خیر خواہی کے لئے اسی طرح مشقت میں ڈالے جیسا کہ وہ اپنی ذات کی خیر خواہی کے لئے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا ہے۔اور اس کی (یعنی اپنے بھائی کی) ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ایسا ہی اہتمام کرے اور بے چین ہو جیسے اپنے لئے بے چین اور مضطرب ہوتا ہے۔اور وہ اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان کوئی فرق نہ کرے۔اور پورے دل سے اس کا خیر خواہ بن جائے گویا اللہ تعالیٰ تاکیدی حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے اے میرے بندو! بھائیوں اور محبّوں کے (ایک دوسرے کو) تحائف دینے کی طرح دُعا کا تحفہ دیا کرو (اور انہیں شامل کرنے کے لئے) اپنی دُعاؤں کا دائرہ وسیع کرو اور اپنی نیتوں میں وسعت پیدا کرو۔اپنے نیک ارادوں میں (اپنے بھائیوں کے لئے بھی) گنجائش پیدا کرو اور باہم محبت کرنے میں بھائیوں، باپوں اور بیٹوں کی طرح بن جاؤ۔

(ترجمہ از مرتب)

(کراماتُ الصّادِقِیْن، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۲)

اللہ جلّ شانہٗ نے آیہ کریمہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ کو مقدم رکھا تا اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ جو کچھ عملی اور علمی طور پر ہم کو پہلے توفیق دی گئی ہے چاہئے کہ ہم اس کو بجالاویں اور پھر جو ہمارے علم اور طاقت سے باہر ہو اس میں خدا تعالیٰ سے امداد چاہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۶ مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۸۲)

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۔اے خدا! تو جو چار صفتوں کا مالک ہے تیری پرستش کرتے ہیں ۔انسان کو چاہئے کہ اللہ کو چار صفتوں سے متصف مان کر صرف اقرار تک محدود نہ رکھے بلکہ عملی طور سے اس بات کو ثابت کرے کہ وہ واقعی اللہ کو اپنا ربّ مانتا ہے۔اس کی ربوبیت کو اپنے عملوں سے ثابت کرے۔دیکھو جو خدا کو خدا نہ مانے وہ سب کچھ کرے گا۔چوری زنا بھی کرے گا جب تک عملی رنگ نہ ہو تو نہ مومن کہلا سکتا ہے نہ وہ فیض پاتا ہے جو اگلے مقربوں اور راستبازوں پر ہوا۔ایمان خدا کا ایک فضل ہے جب آتا ہے تو وہ شخص عملی طور پر فاسقانہ کام نہیں کرتا۔دراصل زبانی حساب انسان کو نجات نہیں دے سکتا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۶ مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

تدبیر اور دُعا دونوں (کو) باہم ملا دینا اسلام ہے اسی واسطے میں نے کہا ہے کہ گناہ اور غفلت سے بچنے کے لئے اس قدر تدبیر کرے جو تدبیر کا حق ہے اور اس قدر دُعا کرے جو دُعا کا حق ہے۔اسی واسطے قرآن شریف کی پہلی ہی سورہ فاتحہ میں ان دونوں باتوں کو مدّنظر رکھ کر فرمایا ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۔اِیَّاکَ نَعۡبُدُ اسی اصل تدبیر کو بتاتا ہے اور مقدم اسی کو کیا ہے کہ پہلے انسان رعایت اسباب اور تدبیر کا حق ادا کرے مگر اس کے ساتھ ہی دُعا کے پہلو کو چھوڑ نہ دے بلکہ تدبیر کے ساتھ ہی اس کو مدّنظر رکھے۔مومن جب اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کہتا ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو معاً اس کے دل میں گزرتا ہے کہ میں کیا چیز ہوں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں جب تک اُس کا فضل اور کرم نہ ہو۔اس لئے وہ معاً کہتا ہے اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ مدد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔یہ ایک نازک مسئلہ ہے جس کو بجز اسلام کے اور کسی مذہب نے نہیں سمجھا۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۵ مورخہ ۱۰ رفروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲)

اس سورۃ میں جس کا نام خاتم الکتاب اور اُمّ الکتاب بھی ہے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے اور اس کے حصول کی کیا راہ ہے؟

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ گویا انسانی فطرت کا اصل تقاضا اور منشاء ہے اور وہ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کے بغیر پورا نہیں ہوتا ہے لیکن اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کو اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ پر مقدم کر کے یہ بتایا ہے کہ پہلے ضروری ہے کہ جہاں تک انسان کی اپنی طاقت، ہمت اور سمجھ میں ہو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کے اختیار کرنے میں سعی اور مجاہدہ کرے اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے پورا کام لے اور اس کے بعد پھر خدا تعالیٰ سے اس کی تکمیل اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے دُعا کرے۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۳۶ مورخہ ۲۴ راکتوبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۔الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ مورخہ ۳۱ رمارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ میں اگرچہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کو اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ پر تقدم ہے لیکن پھر بھی اگر غور کیا جاوے تو

معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت نے سبقت کی ہوئی ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ بھی کسی قوت نے کہلوایا ہے اور وہ قوت جو پوشیدہ ہی پوشیدہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا اقرار کراتی ہے کہاں سے آئی کیا خدا تعالیٰ نے ہی وہ عطا نہیں فرمائی ہے؟ بیشک وہ خدا تعالیٰ کا ہی عطیہ ہے جو اس نے محض رحمانیت سے عطا فرمائی ہے۔ اس کی تحریک اور توفیق سے یہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ بھی کہتا ہے اِس پہلو سے اگر غور کریں تو اس کو تاخر ہے اور دوسرے پہلو سے اس کو تقدم ہے یعنی جب یہ قوت اس کو اس بات کی طرف لاتی ہے تو یہ تاخر ہو گیا اور بصورت اوّل تقدم۔ اسی طرح ہر سلسلہ نبوت کی فلاسفی کا خلاصہ یا مفہوم ہے۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۱۲ مورخہ ۱۰/اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

خداوند کریم نے پہلی سورہ فاتحہ میں یہ تعلیم دی ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اس جگہ عبادت سے مراد پرستش اور معرفت دونوں ہیں اور دونوں میں بندہ کا عجز ظاہر کیا گیا ہے۔

(الحکم جلد ۳ نمبر ۲۳ مورخہ ۳۰/جون ۱۸۹۹ء صفحہ ۳)

عبادت کے اصول کا خلاصہ اصل میں یہی ہے کہ اپنے آپ کو اس طرح سے کھڑا کرے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور یا یہ کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ ہر قسم کی ملونی اور ہر طرح کے شرک سے پاک ہو جاوے اور اسی کی عظمت اور اسی کی ربوبیت کا خیال رکھے۔ ادعیہ ماثورہ اور دوسری دُعائیں خدا سے بہت مانگے اور بہت توبہ و استغفار کرے اور بار بار اپنی کمزوری کا اظہار کرے تا کہ تزکیہ نفس ہو جاوے اور خدا سے پکا تعلق ہو جاوے اور اُسی کی محبت میں محو ہو جاوے۔ اور یہی ساری نماز کا خلاصہ ہے اور یہ سارا سورہ فاتحہ میں ہی آ جاتا ہے۔ دیکھو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں اپنی کمزوریوں کا اظہار کیا گیا ہے اور امداد کے لئے خدا تعالیٰ سے ہی درخواست کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ سے ہی مدد اور نصرت طلب کی گئی ہے۔ اور پھر اس کے بعد نبیوں اور رسولوں کی راہ پر چلنے کی دُعا مانگی گئی ہے اور ان انعامات کو حاصل کرنے کے لئے درخواست کی گئی ہے جو نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے اس دنیا پر ظاہر ہوئے ہیں اور جو انہیں کی اتباع اور انہیں کے طریقہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ سے دُعا مانگی گئی ہے کہ ان لوگوں کی راہوں سے بچا جنہوں نے تیرے رسولوں اور نبیوں کا انکار کیا اور شوخی اور شرارت سے کام لیا اور اسی جہان میں ہی ان پر غضب نازل ہوا۔ یا جنہوں نے دنیا کو ہی اپنا اصلی مقصود سمجھ لیا اور راہ راست کو چھوڑ دیا۔ (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۸ مورخہ ۲۴/اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱)

انسان خدا کی پرستش کا دعویٰ کرتا ہے مگر کیا پرستش صرف بہت سے سجدوں اور رکوع اور قیام سے ہو سکتی ہے یا بہت مرتبہ تسبیح کے دانے پھیرنے والے پرستار الٰہی کہلا سکتے ہیں بلکہ پرستش اُس سے ہو سکتی ہے جس کو خدا کی محبت اس درجہ پر اپنی طرف کھینچے کہ اس کا اپنا وجود درمیان سے اُٹھ جائے۔

اوّل خدا کی ہستی پر پورا یقین ہو اور پھر خدا کے حُسن و احسان پر پوری اطلاع ہو اور پھر اُس سے محبت کا تعلق ایسا ہو کہ سوزشِ محبت ہر وقت سینہ میں موجود ہو اور یہ حالت ہر ایک دم چہرہ پر ظاہر ہو اور خدا کی عظمت دل میں ایسی ہو کہ تمام دنیا اُس کی ہستی کے آگے مُردہ متصوّر ہو اور ہر ایک خوف اُسی کی ذات سے وابستہ ہو اور اُسی کی درد میں لذّت ہو اور اُسی کی خلوت میں راحت ہو اور اُس کے بغیر دل کو کسی کیساتھ قرار نہ ہو۔ اگر ایسی حالت ہو جائے تو اس کا نام پرستش ہے مگر یہ حالت بجز خدا تعالیٰ کی خاص مدد کے کیونکر پیدا ہو؟ اِسی لئے خدا تعالیٰ نے یہ دعا سکھلائی اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی ہم تیری پرستش تو کرتے ہیں مگر کہاں حقِ پرستش ادا کر سکتے ہیں جب تک تیری طرف سے خاص مدد نہ ہو۔ خدا کو اپنا حقیقی محبوب قرار دے کر اس کی پرستش کرنا یہی ولایت ہے جس سے آگے کوئی درجہ نہیں مگر یہ درجہ بغیر اس کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اُس کے حاصل ہونے کی یہ نشانی ہے کہ خدا کی عظمت دل میں بیٹھ جائے۔ خدا کی محبت دل میں بیٹھ جائے اور دل اُسی پر توکّل کرے اور اُسی کو پسند کرے اور ہر ایک چیز پر اُسی کو اختیار کرے اور اپنی زندگی کا مقصد اُسی کی یاد کو سمجھے..... یہ بہت تنگ دروازہ ہے اور یہ شربت بہت ہی تلخ شربت ہے۔ تھوڑے لوگ ہیں جو اس دروازہ میں سے داخل ہوتے اور اس شربت کو پیتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۵۴، ۵۵)

خدا نے جو انسان کو بنایا اور اُس کے لئے شریعت اور حدود اور قوانین مقرر کئے تو اس سے یہ غرض نہیں کہ انسان کو نجات حاصل ہو بلکہ انسان تو تعبُّدِ ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ سو اُس کے تدیّن سے یہی غرض تعبُّدِ ابدی ہے۔ ہاں اس غرض کا نتیجہ ضرور یہ نجات ہے جس کا حصول اصل مقصود کے حصول پر موقوف ہے۔ اور شریعت اور احکام سے یہ غرض بھی نہیں کہ انسان گناہوں سے پاک ہو کیونکہ گناہوں سے پاک ہونا بھی اصل مقصود کا ایک نتیجہ لازمی ہے۔ سو جب انسان تعبُّد اور اطاعت کا طریق اختیار کرتا ہے تو بالضرور گناہ سے دور رہ کر پاک ہو جاتا ہے۔ اور جب گناہ سے پاک ہو جاتا ہے تو گناہ کے پھلوں سے نجات پاتا ہے۔ سو طریق نجات یہ ہے کہ صدق اور ثبات کے ساتھ اس مبدء انوار کے سامنے کھڑے ہونا جہاں سے نور کی کرنیں اُترتی ہیں اور وہ کھڑا ہونا دوسرے لفظوں میں استقامت کے نام سے موسوم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (ھود: ۱۱۳) اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص اس مبدء انوار کے سامنے کھڑا ہوگا اس پر نور کی کرنیں پڑیں گی اور نور کے اُترنے سے وہ ظلمت دور ہوگی جس کو گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ کوئی ظلمت بغیر نور کے اُترنے کے دور نہیں ہو سکتی خدا تعالیٰ نور کو کروڑہا کوس سے نیچے اُتارتا ہے تا ظلمت

کو دور کرے۔ نور کے سامنے ظلمت نہیں ٹھہر سکتی۔ لیکن اگر یہ سوال ہو کہ کس وقت انسان کو کہا جائے گا کہ مبدء انوار کے سامنے کھڑا ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ صرف اس وقت کہا جاوے گا کہ جب اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں حق کی طرف آ جاوے اور سچائی سے پیار کرنے لگے۔ اور گناہ اس کو پیارا معلوم نہ ہو بلکہ نہایت کراہت کی نظر سے اس کو دیکھے اور اس دشمن سے مخلصی پانے کے لئے خدا سے مدد چاہے۔ تب خدائے رحمٰن و رحیم اس کی مدد کرتا ہے اور اپنی طرف سے نور نازل کر کے اس کو اس ظلمت سے نجات بخشتا ہے اور یہ دُعا اسی لئے تعلیم کی گئی۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ یعنی ہم اس بلا میں تجھ سے اعانت چاہتے ہیں ہمیں اس راہ پر کھڑا کر جہاں تیرے انعام کی کرنیں اُترتی ہیں۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۱۶ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۶)

استعانت کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اصل استمداد کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے اور اسی پر قرآن کریم نے زور دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پہلے صفاتِ الٰہی ربّ۔ رحمان۔ رحیم۔ مالک یوم الدین کا اظہار فرمایا۔ پھر سکھایا اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہ یعنی عبادت بھی تیری کرتے ہیں اور استمداد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل حق استمداد کا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ کسی انسان۔ حیوان۔ چرند پرند غرضیکہ کسی مخلوق کے لئے نہ آسمان پر نہ زمین پر یہ حق نہیں ہے۔ مگر ہاں دوسرے درجہ پر ظلّی طور سے یہ حق اہل اللہ اور مردانِ خدا کو دیا گیا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۶ مورخہ ۲۴ رجولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

اللہ تعالیٰ کے گناہ سے بچنے کے لئے یہ آیت ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ جو لوگ اپنے ربّ کے آگے انکسار سے دُعا کرتے رہتے ہیں کہ شاید کوئی عاجزی منظور ہو جاوے تو ان کا اللہ تعالیٰ خود مددگار ہو جاتا ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۸ مورخہ ۳۱ رجولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۱۷)

جسے دعا کی توفیق دی جاوے گی۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل کرے گا اور وہ بچ جاوے گا۔ ظاہری تدابیر صفائی وغیرہ کی منع نہیں ہیں۔ بلکہ برتوکل زانوئے اشتر بہ بند۔ پر عمل کرنا چاہیے جیسا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے معلوم ہوتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲ مورخہ ۳۱ رمارچ ۱۹۰۲ء صفحہ ۶)

إِعْلَمْ أَنَّ قَوْلَهُ تَعَالٰى " إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ " يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ السَّعَادَةَ كُلَّهَا فِي اقْتِدَآءِ صِفَاتِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَحَقِيْقَةُ الْعِبَادَةِ الْإِنْصِبَاغُ بِصِبْغِ الْمَعْبُوْدِ وَهُوَ عِنْدَ أَهْلِ الْحَقِّ كَمَالُ السَّعُوْدِ فَإِنَّ الْعَبْدَ لَا يَكُوْنُ عَبْدًا فِي الْحَقِيْقَةِ عِنْدَ ذَوِي الْعِرْفَانِ إِلَّا بَعْدَ أَنْ تَصِيْرَ صِفَاتُهُ أَظْلَالَ صِفَاتِ الرَّحْمٰنِ فَمِنْ أَمَارَاتِ الْعُبُوْدِيَّةِ أَنْ تَتَوَلَّدَ فِيْهِ رُبُوْبِيَّةٌ كَرُبُوْبِيَّةِ حَضْرَةِ الْعِزَّةِ وَكَذٰلِكَ الرَّحْمَانِيَّةُ وَالرَّحِيْمِيَّةُ وَصِفَةُ الْمَجَازَاتِ أَظْلَالًا لِصِفَاتِ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ. وَهٰذَا هُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ الَّذِيْ أُمِرْنَا لِنَطْلُبَهُ وَالشِّرْعَةُ الَّتِيْ أُوْصِيْنَا لِنَرْقُبَهَا مِنْ كَرِيْمٍ ذِي الْفَضْلِ الْمُبِيْنِ.

ثُمَّ لَمَّا كَانَ الْمَانِعُ مِنْ تَحْصِيْلِ تِلْكَ الدَّرَجَاتِ الرِّيَاءُ الَّذِيْ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ وَالْكِبْرُ الَّذِيْ هُوَ رَأْسُ السَّيِّئَاتِ وَالضَّلَالُ الَّذِيْ يُبْعِدُ عَنْ طُرُقِ السَّعَادَاتِ أَشَارَ إِلٰى دَوَآءِ هٰذِهِ الْعِلَلِ الْمُهْلِكَاتِ رَحْمَةً مِنْهُ عَلَى الضُّعَفَآءِ الْمُسْتَعِدِّيْنَ لِلْغَطِيَّاتِ وَتَرَحُّمًا عَلَى

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کلام إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام کی تمام سعادت خدائے ربّ العالمین کی صفات کی پیروی کرنے میں ہے اور عبادت کی حقیقت معبود کے رنگ میں رنگین ہونا ہے۔ اور راستبازوں کے نزدیک کمال سعادت یہی ہے۔ چنانچہ خداشناس بزرگوں کے نزدیک بندہ درحقیقت اسی وقت عبد کہلا سکتا ہے جب اس کی صفات خدائے رحمان کی صفات کا پرتو بن جائیں۔ پس عبودیت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ انسان میں بھی حضرت العزت کے رنگ کی ربوبیت پیدا ہو جائے اور اسی طرح بطور ظلّیت اس میں رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت یوم الدین کی صفاتِ حضرتِ احدیّت پیدا ہو جائیں۔ یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کے متعلق ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسے طلب کریں اور یہی وہ راستہ ہے جس کے متعلق ہمیں تاکید کی گئی ہے کہ کھلے کھلے فضل والے خدا سے اس (کے ملنے) کی امید رکھیں۔

پھر چونکہ ان درجات کے حصول میں بڑی روک ریاکاری ہے جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے اور تکبر ہے جو بدترین بدی ہے اور گمراہی ہے جو سعادت کی راہوں سے دُور لے جاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے (اپنے) کمزور بندوں پر رحم فرماتے ہوئے جو خطاکاریوں پر آمادہ ہو سکتا ہے اور اپنی راہ میں قدم مارنے والوں پر ترس کھا کر ان مہلک بیماریوں کی دواء کی طرف اشارہ فرمایا پس اُس نے حکم

السَّالِكِيْنَ. فَأَمَرَ أَنْ يَّقُوْلَ النَّاسُ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" لِيَسْتَخْلِصُوْا مِنْ مَّرَضِ الرِّيَآءِ وَأَمَرَ أَنْ يَّقُوْلُوْا "إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" لِيَسْتَخْلِصُوْا مِنْ مَّرَضِ الْكِبْرِ وَ الْخُيَلَآءِ وَأَمَرَ أَنْ يَّقُوْلُوْا "اِهْدِنَا" لِيَسْتَخْلِصُوْا مِنَ الضَّلَالَاتِ وَالْأَهْوَآءِ. فَقَوْلُهُ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" حَثٌّ عَلٰى تَحْصِيْلِ الْخُلُوْصِ وَالْعُبُوْدِيَّةِ التَّآمَّةِ وَقَوْلُهُ "إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" إِشَارَةٌ إِلٰى طَلَبِ الْقُوَّةِ وَالثَّبَاتِ وَالْاِسْتِقَامَةِ وَقَوْلُهُ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ" إِشَارَةٌ إِلٰى طَلَبِ عِلْمٍ مِنْ عِنْدِهٖ وَهِدَايَةٍ مِّنْ لَّدُنْهُ لُطْفًا مِّنْهُ عَلٰى وَجْهِ الْكَرَامَةِ. فَحَاصِلُ الْاٰيَاتِ أَنَّ أَمْرَ السُّلُوْكِ لَا يُتَمَّمُ أَبَدًا وَّ لَا يَكُوْنُ وَسِيْلَةً لِّلنَّجَاةِ إِلَّا بَعْدَ كَمَالِ الْإِخْلَاصِ وَكَمَالِ الْجَهْدِ وَكَمَالِ فَهْمِ الْهِدَايَاتِ بَلْ كُلُّ خَادِمٍ لَا يَكُوْنُ صَالِحًا لِّلْخِدْمَاتِ إِلَّا بَعْدَ تَحَقُّقِ هٰذِهِ الصِّفَاتِ. مَثَلًا إِنْ كَانَ خَادِمٌ مُّخْلِصًا وَّ مَوْصُوْفًا بِأَوْصَافِ الْأَمَانَةِ وَ الْخُلُوْصِ وَ الْعِفَّةِ وَلٰكِنْ كَانَ مِنَ الْكُسَالٰى وَ الْوَانِيْنَ الْقَاعِدِيْنَ وَ كَالضُّجَعَةِ النُّوَمَةِ لَا مِنْ أَهْلِ السَّعْيِ وَالْجَهْدِ وَ الْجِدِّ وَالْقُوَّةِ فَلَا شَكَّ أَنَّهٗ كَلٌّ عَلٰى مَوْلَاهُ وَ لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ

دیا کہ لوگ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہا کریں تا وہ ریا کی بیماری سے نجات پائیں اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہنے کا حکم دیا تا وہ کبر اور غرور سے بچ جائیں پھر اس نے اِھْدِنَا کہنے کا حکم دیا تا وہ گمراہیوں اور خواہشات نفسانی سے چھٹکارا پائیں۔ پس اس کا قول اِیَّاکَ نَعْبُدُ خلوص اور عبودیت تامہ کے حصول کی ترغیب ہے۔ اور اس کا کلام اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ قوت، ثابت قدمی، استقامت کے طلب کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اس کا کلام اِھْدِنَا الصِّرَاطَ اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم اور ہدایت طلب کی جائے جو وہ ازراہِ مہربانی بطور اکرام انسان کو عطا کرتا ہے۔ پس ان آیات کا ماحصل یہ ہے کہ خدا کا راہ سلوک اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ نجات کا وسیلہ بن سکتا ہے جب تک انتہائی اخلاص، انتہائی کوشش اور ہدایات کے سمجھنے کی پوری اہلیت حاصل نہ ہو جائے بلکہ جب تک کسی خادم میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ درحقیقت خدمات کے قابل نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی خادم مخلص بھی ہے اور دیانت، نیک نیتی اور پاک دامنی کی صفات سے متصف بھی ہے لیکن وہ سست بے ہمت اور (بیکار) بیٹھ رہنے والوں میں سے ہے یا ہر وقت لیٹے رہنے اور سوئے رہنے والے غافل شخص کی طرح ہے اور وہ خادم جو کوشش، جدوجہد اور ہمت کرنے والوں میں سے نہ ہو تو بلاشبہ وہ اپنے مالک پر ایک بوجھ ہی ہوگا۔ اور اپنے آقا کی ہدایت کی پیروی نہیں کر سکے گا۔ اور اس کے

يَتَّبِعَ هُدَاهُ وَيَكُوْنَ مِنَ الْمُطَاوِعِيْنَ.
وَخَادِمٌ اٰخَرُ مُخْلِصٌ أَمِيْنٌ وَّ مَعَ ذٰلِكَ
مُجَاهِدٌ وَّلَيْسَ بِقَاعِدٍ كَالْاٰخَرِيْنَ وَلٰكِنَّهٗ
جَهُوْلٌ لَا يَفْهَمُ هِدَايَاتِ مَخْدُوْمِهٖ وَ
يُخْطِئُ ذَاتَ مِرَارٍ كَالضَّآلِّيْنَ. فَمِنْ
جَهْلِهٖ رُبَّمَا يَجْتَرِءُ عَلَى الْمَمْنُوْعَاتِ وَ
يُوْقِعُ نَفْسَهٗ فِي الْمَخَاطِرَاتِ وَ
الْمَحْظُوْرَاتِ وَ يَبْعُدُ عَنْ مَّرْضَاةِ الْمَوْلٰى
مِنْ جَهْلٍ جَاذِبٍ مِّنَ الْجَهَلَاتِ وَرُبَّمَا
يُضِيْعُ نَفَآئِسَ الْمَوْلٰى وَدُرَرَهٗ وَجَوَاهِرَهٗ
مِنْ كَمَالِ جَهْلِهٖ وَحُمْقِهٖ وَسُوْٓءِ فَهْمِهٖ وَ
يَضَعُ الْأَشْيَاءَ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهَا مِنْ زَيْغٍ
وَهْمِهٖ فَهٰذَا الْخَادِمُ أَيْضًا لَّا يَسْتَطِيْعُ
أَنْ يَّسْتَحْصِلَ مَرْضَاتِ الْمَخْدُوْمِ
وَيُسْقِطُهٗ جَهْلُهٗ كُلَّ مَرَّةٍ عَنْ أَعْيُنِ
مَوْلَاهُ فَيَبْكِيْ كَالْمَوْقُوْمِ وَ كَذٰلِكَ
يَعِيْشُ دَآئِمًا كَالْمَلْعُوْنِ الْمَلُوْمِ وَلَا
يَكُوْنُ مِنَ الْمَمْدُوْحِيْنَ. بَلْ يَرَاهُ الْمَوْلٰى
كَالْمَنْحُوْسِ الَّذِيْ لَا يَأْتِيْ بِخَيْرٍ فِيْ سَيْرٍ
وَيُخْرِبُ بُقْعَتَهٗ وَ رِحَالَهٗ وَ أَمْوَالَهٗ فِيْ كُلِّ
حِيْنٍ.

فرمانبرداروں میں شمار نہ ہو سکے گا۔ایک اور خادم جو نیک نیت اور دیانت دار بھی ہو اور ساتھ ہی محنتی بھی ہو اور دوسروں کی طرح بیٹھ رہنے والا نہ ہو لیکن بے وقوف ہو اور آقا کی ہدایت کو نہ سمجھ سکتا ہو اور گمراہوں کی طرح بار بار غلطیاں کرتا ہو، اپنی جہالت کی وجہ سے کئی دفعہ ممنوع کاموں پر جرأت کر بیٹھتا ہو، اپنے آپ کو خطرے کے مقامات اور ممنوع جگہوں میں ڈال دیتا ہو اور انتہائی بے وقوفی کی بناء پر آقا کی خوشنودی حاصل نہ کر سکتا ہو اور بسا اوقات وہ اپنے مالک کی عمدہ عمدہ چیزوں کو، اس کے موتیوں کو اور اس کے جواہرات کو اپنی کمال بے وقوفی، نادانی اور ناسمجھی کی وجہ سے ضائع کر دیتا ہو اور اپنی بدحواسی کی وجہ سے اشیاء کو ان کی اصل جگہ کے علاوہ کہیں اور جگہ رکھ دیتا ہو تو ایسا خادم بھی آقا کی خوشنودی حاصل نہیں کر سکتا۔اور اس کی نادانی اسے ہر بار اپنے مالک کی نظروں سے گرا دیتی ہے۔پس وہ ذلیل و محروم انسان کی طرح روتا رہتا ہے اور اس طرح ہمیشہ ایک قابل ملامت ملعون انسان کی مانند زندگی کے دن پورے کرتا ہے۔وہ کبھی قابل تعریف لوگوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کا مالک اسے (ہمیشہ) منحوس جیسا سمجھتا ہے۔جو اپنی بھاگ دوڑ سے کبھی بھی کسی بھلائی (کی خبر) نہیں لاتا۔وہ (خادم) اس کی زمینوں، اس کے مکانات اور اس کے اموال کو ہر وقت برباد کرتا رہتا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

أَمَّا الْهِدَايَةُ الَّتِي قَدْ أُمِرْنَا لِطَلَبِهَا فِي الْفَاتِحَةِ فَهُوَ اقْتِدَاءٌ مَحَامِدِ ذَاتِ اللهِ وَ صِفَاتِهِ الْأَرْبَعَةِ وَإِلَى هٰذَا يُشِيْرُ اللَّامُ الَّذِي مَوْجُوْدٌ فِيْ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" وَ يَعْرِفُهُ مَنْ أَعْطَاهُ اللهُ الْفَهْمَ السَّلِيْمَ. وَلَا شَكَّ أَنَّ هٰذِهِ الصِّفَاتِ أُمَّهَاتُ الصِّفَاتِ وَ هِيَ كَافِيَةٌ لِتَطْهِيْرِ النَّاسِ مِنَ الْهَنَاتِ وَ أَنْوَاعِ السَّيِّئَاتِ فَلَا يُؤْمِنُ بِهَا عَبْدٌ إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ صِفَةٍ حَظَّهُ وَ يَتَخَلَّقَ بِأَخْلَاقِ رَبِّ الْكَائِنَاتِ. فَمَنِ اسْتَفَاضَ مِنْهَا فَيُفْتَحُ عَلَيْهِ بَابٌ عَظِيْمٌ مِنْ مَعْرِفَةِ الرَّبِّ الْمَحْبُوْبِ وَتَتَجَلّٰى لَهُ عَظَمَتُهُ فَتَحْصُلُ الْاَمَانَةُ وَالتَّنَفُّرُ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالسَّكِيْنَةُ وَالْإِخْبَاتُ وَ الْاِمْتِثَالُ الْحَقِيْقِيُّ وَالْخَشْيَةُ وَالْأُنْسُ وَالذَّوْقُ وَالشَّوْقُ وَ الْمَوَاجِيْدُ الصَّحِيْحَةُ وَالْمَحَبَّةُ الذَّاتِيَّةُ الْمُفْنِيَةُ الْمُحْرِقَةُ بِإِذْنِ اللهِ مُرَبِّي السَّالِكِيْنَ.

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۳۵)

وَكَذٰلِكَ عَلَّمَ اللهُ عِبَادَهُ دُعَاءً

جس ہدایت کے طلب کرنے کا ہمیں سورۃ فاتحہ میں حکم دیا گیا ہے وہ ذاتِ باری کی خوبیوں اور اس کی چاروں (مذکورہ) صفات کی پیروی کرنا ہے اور اسی کی طرف وہ الف لام اشارہ کر رہا ہے جو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں موجود ہے۔ اِس بات کو وہ شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عقلِ سلیم عطا فرمائی ہو اور کچھ شک نہیں کہ یہ چاروں صفات (باقی تمام) صفات کے لئے بطور اصل کے ہیں اور یہ لوگوں کو قابلِ نفرت باتوں اور قسما قسم کی بُرائیوں سے پاک کرنے کے لئے کافی ہیں۔ پس کوئی بندہ اُس وقت تک ان پر ایمان نہیں لاتا جب تک کہ وہ ان میں سے ہر صفت سے اپنا حصہ نہ لے لے اور پروردگارِ عالم کے اخلاق کو اختیار نہ کر لے۔ پس جو کوئی بھی ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُس پر محبوب ربّ کی معرفت کا ایک عظیم دروازہ کھولا جاتا ہے اور اس (ربّ) کی عظمت اس کے لئے جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ پس (اسے) اللہ تعالیٰ کے اِذن سے جو سالکین کی تربیت کرنے والا ہے رجوع الی اللہ، گناہوں سے نفرت، سکینہ، تواضع، حقیقی اطاعت، خشیت، اُنس، ذوق وشوق۔ صحیح وجدانی کیفیات اور فنا (فی اللہ) کرنے والی اور (گناہوں کو) بھسم کر ڈالنے والی ذاتی محبت حاصل ہو جاتی ہے۔

(ترجمہ از مرتب)

اور اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اِهْدِنَا

''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ'' وَ مَعْلُوْمٌ أَنَّ مِنْ أَنْوَاعِ الْهِدَايَةِ كَشْفٌ وَّ إِلْهَامٌ وَّرُؤْيَا صَالِحَةٌ وَّ مُكَالَمَاتٌ وَّمُخَاطَبَاتٌ وَّتَحْدِيْثٌ لِيَنْكَشِفَ بِهَا غَوَامِضُ الْقُرْاٰنِ وَيَزْدَادَ الْيَقِيْنُ. بَلْ لَا مَعْنٰى لِلْإِنْعَامِ مِنْ غَيْرِ هٰذِهِ الْفُيُوْضِ السَّمَاوِيَّةِ. فَإِنَّهَا أَصْلُ الْمَقَاصِدِ لِلسَّالِكِيْنَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ تَنْكَشِفَ عَلَيْهِمْ دَقَآئِقُ الْمَعْرِفَةِ. وَيَعْرِفُوْا رَبَّهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا. وَيَزْدَادُوْا حُبًّا وَّ إِيْمَانًا. وَّيَصِلُوْا مَحْبُوْبَهُمْ مُتَبَتِّلِيْنَ. فَلِأَجْلِ ذٰلِكَ حَثَّ اللهُ عِبَادَهُ عَلٰى أَنْ يَّطْلُبُوْا هٰذَا الْإِنْعَامَ مِنْ حَضْرَتِهٖ. فَإِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِنْ عَطَشِ الْوِصَالِ وَ الْيَقِيْنِ وَ الْمَعْرِفَةِ. فَرَحِمَهُمْ وَأَعَدَّ كُلَّ مَعْرِفَةٍ لِّلطَّالِبِيْنَ. ثُمَّ أَمَرَهُمْ لِيَطْلُبُوْهَا فِي الصَّبَاحِ وَالْمَسَآءِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ. وَمَا أَمَرَهُمْ إِلَّا بَعْدَمَا رَضِيَ بِإِعْطَاءِ هٰذِهِ النَّعْمَآءِ. بَلْ بَعْدَمَا قَدَّرَ لَهُمْ أَنْ يُّرْزَقُوْا مِنْهَا. وَ بَعْدَمَا جَعَلَهُمْ وُرَثَآءَ الْأَنْبِيَآءِ الَّذِيْنَ

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ۔ کی دُعا سکھائی ہے۔اور یہ بات واضح ہے کہ ہدایت کی اقسام میں کشف، الہام، رویائے صالحہ، مکالمات ومخاطبات اور محدّثیت شامل ہیں تاکہ ان کے ذریعہ قرآن کریم کے اسرار کھلیں اور یقین بڑھے۔ان آسمانی فیوض کے سوا انعام کے اَور کوئی معنے نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں اُن سالکوں کا اصل مقصد ہیں جو چاہتے ہیں کہ اُن پر معرفتِ الٰہی کے دقائق کھلیں اور وہ اپنے ربّ کو اِسی دنیا میں پہچان لیں۔محبت اور ایمان میں ترقی کریں اور دنیا سے منہ موڑ کر اپنے محبوب کا وصال حاصل کرلیں۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس بات کی ترغیب دلائی ہے کہ وہ اس کی بارگاہ سے یہ انعام طلب کیا کریں کیونکہ وہ (اللہ) ان کے دلوں میں وصال اور یقین اور معرفت کے حصول کی جو پیاس ہے اُسے خوب جانتا ہے پس اُس نے ان پر رحم کیا اور اپنے طالبوں کے لئے ہر قسم کی معرفت تیار کی۔ پھر ان (طالبوں) کو حکم دیا کہ وہ صبح وشام اور رات اور دن معرفت طلب کرتے رہیں اور اُس نے اُنہیں یہ حکم تبھی دیا جب وہ خود ان نعمتوں کے عطا کرنے پر راضی تھا۔ بلکہ اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ انہیں ان (نعمتوں) میں سے (کچھ حصّہ ضرور) دیا جائے گا اور انہیں ان نبیوں کا وارث بنانا مقدر کیا جنہیں ان سے پہلے براہِ راست ہدایت کی ہر نعمت دی گئی تھی۔پس دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتنا احسان کیا ہے اور ہمیں اُمّ الکتاب (یعنی سورۃ فاتحہ) میں حکم دیا ہے کہ ہم اس سورۃ میں انبیاء کی تمام

أُوْتُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كُلَّ نِعْمَةِ الْهِدَايَةِ عَلٰى طَرِيْقِ الْاِصَالَةِ. فَانْظُرْ كَيْفَ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا. وَ أَمَرَنَا فِيْ أُمِّ الْكِتَابِ لِنَطْلُبَ فِيْهِ هِدَايَاتِ الْأَنْبِيَآءِ كُلِّهَا. لِيَكْشِفَ عَلَيْنَا كُلَّ مَا كَشَفَ عَلَيْهِمْ. وَ لٰكِنْ بِالْاِتِّبَاعِ وَ الظِّلِّيَّةِ. وَ عَلٰى قَدْرِ ظُرُوْفِ الْاِسْتِعْدَادَاتِ وَ الْهِمَمِ. فَكَيْفَ نَرُدُّ نِعْمَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أُعِدَّتْ لَنَا إِنْ كُنَّا طُلَبَآءَ الْهِدَايَةِ وَ كَيْفَ نُنْكِرُهَا بَعْدَمَا أُخْبِرْنَا عَنْ أَصْدَقِ الصَّادِقِيْنَ.

(حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۲۹۹)

ہدایتیں طلب کریں تا کہ ہم پر بھی وہ تمام امور منکشف کر دے جو ان (نبیوں) پر منکشف کئے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ متابعت اور ظلیت کے طور پر اور استعدادوں اور ہمتوں کے اندازہ کے مطابق ہے۔ پس اگر ہم (سچ مچ) ہدایت کے خواہشمند ہیں تو پھر ہم کس طرح اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو رد کریں جو ہمارے لئے تیار کی گئی ہے اور ہم اللہ أَصْدَقُ الصَّادِقِيْنَ (خدا) کی طرف سے اطلاع دیئے جانے کے بعد کس طرح اس نعمت کا انکار کریں۔

(ترجمہ از مرتب)

إِنَّ تَعْلِيْمَ كِتَابِ اللّٰهِ الْأَحْكَمِ وَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مُنْقَسِمًا عَلٰى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ. اَلْأَوَّلُ أَنْ يُّجْعَلَ الْوُحُوْشُ أُنَاسًا. وَ يُعَلَّمَهُمْ اٰدَابَ الْإِنْسَانِيَّةِ وَيَهَبَ لَهُمْ مَدَارِكَ وَحَوَاسًّا. وَالثَّانِيْ أَنْ يُّجْعَلَهُمْ بَعْدَ الْإِنْسَانِيَّةِ أَكْمَلَ النَّاسِ فِيْ مَحَاسِنِ الْأَخْلَاقِ. وَالثَّالِثُ أَنْ يَّرْفَعَهُمْ مِّنْ مَّقَامِ الْأَخْلَاقِ إِلٰى ذُرٰى مَرْتَبَةِ حُبِّ الْخَلَّاقِ. وَيُوْصِلَ إِلٰى مَنْزِلِ الْقُرْبِ وَالرِّضَآءِ وَالْمَعِيَّةِ وَالْفَنَآءِ وَالذُّوْبَانِ وَالْمَحْوِيَّةِ. أَعْنِيْ إِلٰى مَقَامٍ يَّنْعَدِمُ فِيْهِ أَثَرُ الْوُجُوْدِ وَ الْاِخْتِيَارِ. وَ يَبْقَى اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَمَا هُوَ يَبْقٰى بَعْدَ فَنَآءِ هٰذَا الْعَالَمِ بِذَاتِهِ الْقَهَّارِ.

قرآن شریف کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تین قسم پر منقسم تھی۔ پہلی یہ کہ وحشیوں کو انسان بنایا جائے اور انسانی آداب اور حواس اُن کو عطا کئے جائیں اور دوسری یہ کہ انسانیت سے ترقی دے کر اخلاقِ کاملہ کے درجے تک اُن کو پہنچایا جائے اور تیسری یہ کہ اخلاق کے مقام سے اُن کو اُٹھا کر محبت الٰہی کے مرتبہ تک پہنچایا جائے اور یہ کہ قرب اور رضا اور معیت اور فنا (اور گدازش) اور محویت کے مقام اُن کو عطا ہوں یعنی وہ مقام جس میں وجود اور اختیار کا نشان باقی نہیں رہتا اور خدا اکیلا باقی رہ جاتا ہے جیسا کہ وہ اس عالم کے فنا کے بعد اپنی ذات قہار کے ساتھ باقی رہے گا۔

فَهٰذِهٖ اٰخِرُ الْمَقَامَاتِ لِلسَّالِكِيْنَ وَ السَّالِكَاتِ وَ إِلَيْهِ تَنْتَهِيْ مَطَايَا الرِّيَاضَاتِ وَ فِيْهِ يَخْتَتِمُ سُلُوْكُ الْوَلَايَاتِ۔ وَهُوَ الْمُرَادُ مِنَ الْاِسْتِقَامَةِ فِيْ دُعَآءِ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ وَكُلُّ مَا يَتَطَرَّمُ مِنْ أَهْوَآءِ النَّفْسِ الْأَمَّارَةِ فَتَنْدُوْبُ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ بِحُكْمِ اللّٰهِ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْعِزَّةِ فَتُفْتَحُ الْبَلْدَةُ كُلُّهَا وَلَا تَبْقَى الضَّوْضَاةُ لِعَآمَّةِ الْأَهْوَآءِ۔ وَيُقَالُ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔ لِلّٰهِ ذِي الْمَجْدِ وَالْكِبْرِيَآءِ۔

(نجم الھدیٰ، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۳۴۴ تا ۳۴۶)

پس یہ سالکوں کے لئے کیا مرد اور کیا عورت آخری مقام ہے اور ریاضتوں کے تمام مرکب اسی پر جا کر ٹھہر جاتے ہیں اور اسی میں اولیاء کے ولایتوں کے سلوک ختم ہوتے ہیں۔ اور وہ استقامت جس کا ذکر سورۃ فاتحہ کی دعا میں ہے اس سے مراد یہی مرتبہ سلوک ہے۔ اور نفسِ امارہ کی جس قدر ہوا و ہوس بھڑکتی ہے وہ اسی مقام میں خدائے ذوالجبروت والعزت کے حکم سے گداز ہوتی ہے۔ پس تمام شہر فتح ہو جاتا ہے اور ہوا و ہوس کے عوام کا شور باقی نہیں رہتا اور کہا جاتا ہے کہ آج کس کا ملک ہے اور یہ جواب ہوتا ہے کہ خدائے ذوالمجد والکبریا کا۔

(ترجمہ اصل کتاب سے)

خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی راہ یا یوں کہو کہ ہدایت کے اسباب اور وسائل تین ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ کوئی گم گشتہ محض خدا کی کتاب کے ذریعہ سے ہدایت یاب ہو جائے اور دوسرے یہ کہ اگر خدا تعالیٰ کی کتاب سے اچھی طرح سمجھ نہ سکے تو عقلی شہادتوں کی روشنی اس کو راہ دکھلاوے۔ اور تیسرے یہ کہ اگر عقلی شہادتوں سے بھی مطمئن نہ ہو سکے تو آسمانی نشان اس کو اطمینان بخشیں۔ یہ تین طریق ہیں جو بندوں کے مطمئن کرنے کے لئے قدیم سے عادۃ اللہ میں داخل ہیں یعنی ایک سلسلہ کتب ایمانیہ جو سماع اور نقل کے رنگ میں عام لوگوں تک پہنچتا ہے جن کی خبروں اور ہدایتوں پر ایمان لانا ہر ایک مومن کا فرض ہے اور ان کا مخزن اتم اور اکمل قرآن شریف ہے۔ دوسرا سلسلہ معقولات کا جس کا منبع اور ماخذ دلائل عقلیہ ہیں۔ تیسرا سلسلہ آسمانی نشانوں کا جس کا سرچشمہ نبیوں کے بعد ہمیشہ امام الزمان اور مجدد الوقت ہوتا ہے۔ اصل وارث ان نشانوں کے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر جب ان کے معجزات اور نشان مدت مدید کے بعد منقول کے رنگ میں ہو کر ضعیف التاثیر ہو جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ ان کے قدم پر کسی اور کو پیدا کرتا ہے تا پیچھے آنے والوں کے لئے نبوت کے عجائب کرشمے بطور منقول ہو کر مردہ اور بے اثر نہ ہو جائیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی بذات خود نشانوں کو دیکھ کر اپنے ایمانوں کو تازہ کریں۔

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۴۹)

فَيَكُوْنُ النَّبِيُّ كَالْأَصْلِ وَالْوَلِيُّ كَالظِّلِّ مِنْ مَرْتَبَتِهٖ يَأْخُذُ وَمِنْ رُوْحَانِيَّتِهٖ يَسْتَفِيْدُ حَتّٰى يَرْتَفِعَ مِنْهُمَا الْإِمْتِيَازُ وَالْغَيْرِيَّةُ وَتَرِدُ أَحْكَامُ الْأَوَّلِ عَلَى الْآخِرِ وَيَصِيْرَانِ كَشَيْءٍ وَّاحِدٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ مَلَإِهِ الْأَعْلٰى وَيَنْزِلُ عَلَى الْآخِرِ إِرَادَةُ اللّٰهِ وَ تَصْرِيْفُهٗ إِلٰى جِهَةٍ وَّأَمْرُهٗ وَنَهْيُهٗ بَعْدَ عُبُوْرِهٖ عَلٰى رُوْحِ الْأَوَّلِ وَهٰذَا سِرٌّ مِّنْ أَسْرَارِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَفْهَمُهٗ إِلَّا مَنْ كَانَ مِنَ الرُّوْحَانِيِّيْنَ۔

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۲۷)

ہوں۔ پس نبی اصل کی طرح ہوتا ہے اور ولی ظلّ کی طرح۔ وہ اس کے مرتبہ سے (حصہ) لیتا ہے اور اُس کی روحانیت سے استفادہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے درمیان امتیاز اور غیریّت اُٹھ جاتے ہیں اور پہلے (اصل) کے احکام دوسرے (ظلّ) پر وارد ہو جاتے ہیں تب وہ دونوں اللہ اور ملاءِ اعلیٰ کے نزدیک ایک شئی کی طرح ہو جاتے ہیں اور دوسرے پر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اللہ کا اُسے ایک جہت کی طرف پھرانا اور اس کا امر اور اُس کی نہی پہلے (اصل) کی روح پر عبور کرنے کے بعد اُس دوسرے (ظلّ) پر اُترتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایسا سرّ ہے جس کو سوائے روحانی لوگوں کے اور کوئی نہیں سمجھتا۔ (ترجمہ از مرتب)

فَالْحَاصِلُ أَنَّ دُعَآءَ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" يُنْجِي الْإِنْسَانَ مِنْ كُلِّ أَوْدٍ وَّيُظْهِرُ عَلَيْهِ الدِّيْنَ الْقَوِيْمَ وَ يُخْرِجُهٗ مِنْ بَيْتٍ قَفْرٍ إِلٰى رِيَاضِ الثَّمَرِ وَ الرَّيَاحِيْنِ۔ وَ مَنْ زَادَ فِيْهِ إِلْحَاحًا زَادَهُ اللّٰهُ صَلَاحًا وَّالنَّبِيُّوْنَ انْسُوْا مِنْهُ أُنْسَ الرَّحْمٰنِ فَمَا فَارَقُوا الدُّعَآءَ طَرْفَةَ عَيْنٍ إِلٰى اٰخِرِ الزَّمَانِ وَمَا كَانَ لِأَحَدٍ أَنْ يَّكُوْنَ غَنِيًّا عَنْ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ وَلَا مُعْرِضًا عَنْ هٰذِهِ الْمَنِيَّةِ نَبِيًّا أَوْ كَانَ مِنَ

پس خلاصہ یہ ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا انسان کو ہر کجی سے نجات دیتی ہے اور اُس پر دین قویم کو واضح کرتی ہے اور اُس کو ویران گھر سے نکال کر پھلوں اور خوشبوؤں بھرے باغات میں لے جاتی ہے۔ اور جو شخص بھی اس دُعا میں زیادہ آہ وزاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو خیر و برکت میں بڑھاتا ہے۔ دُعا سے ہی نبیوں نے خدائے رحمان کی محبت حاصل کی اور اپنے آخری وقت تک ایک لحظہ کے لئے بھی دُعا کو نہ چھوڑا اور کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس دُعا سے لاپرواہ ہو، یا اس مقصد سے منہ پھیر لے خواہ وہ نبی ہو یا رسولوں میں سے۔ کیونکہ رُشد اور ہدایت کے مراتب کبھی ختم نہیں ہوتے بلکہ وہ بے انتہاء ہیں اور عقل و دانش کی نگاہیں ان تک نہیں پہنچ

الْمُرْسَلِيْنَ۔ فَإِنَّ مَرَاتِبَ الرُّشْدِ وَالْهِدَايَةِ لَا تَتِمُّ أَبَدًا بَلْ هِيَ إِلٰى غَيْرِ النِّهَايَةِ وَ لَا تَبْلُغُهَا أَنْظَارُ الدِّرَايَةِ فَلِذٰلِكَ عَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذَا الدُّعَآءَ لِعِبَادِهٖ وَ جَعَلَهٗ مَدَارَ الصَّلَاةِ لِيَتَمَتَّعُوْا بِرَشَادِهٖ وَلِيَكْمُلَ النَّاسُ بِهِ التَّوْحِيْدَ وَ لِيَذْكُرُوا الْمَوَاعِيْدَ وَ لِيَسْتَخْلِصُوْا مِنْ شِرْكِ الْمُشْرِكِيْنَ وَ مِنْ كَمَالَاتِ هٰذَا الدُّعَآءِ أَنَّهٗ يَعُمُّ كُلَّ مَرَاتِبِ النَّاسِ وَكُلَّ فَرْدٍ مِّنْ أَفْرَادِ الْأُنَاسِ۔ وَ هُوَ دُعَآءٌ غَيْرُ مَحْدُوْدٍ لَّا حَدَّ لَهٗ وَلَا انْتِهَآءَ وَلَا غَايَ وَلَا أَرْجَآءَ فَطُوْبٰى لِلَّذِيْنَ يُدَاوِمُوْنَ عَلَيْهِ بِقَلْبٍ دَامِي الْفُرُجِ وَبِرُوْحٍ صَابِرَةٍ عَلَى الْجُرُحِ وَ نَفْسٍ مُّطْمَئِنَّةٍ كَعِبَادِ اللّٰهِ الْعَارِفِيْنَ۔

وَإِنَّهٗ دُعَآءٌ تَضَمَّنَ كُلَّ خَيْرٍ وَّسَلَامَةٍ وَّسَدَادٍ وَّاسْتِقَامَةٍ وَّفِيْهِ بَشَارَاتٌ مِّنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

سکتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی اور اسے نماز کا مدار ٹھہرایا تا لوگ اس کی ہدایت سے فائدہ اُٹھائیں اور اس کے ذریعہ توحید کو مکمل کریں اور (خدا تعالیٰ کے) وعدوں کو یاد رکھیں اور مشرکوں کے شرک سے نجات پاویں۔ اس دُعا کے کمالات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کے تمام مراتب پر حاوی ہے اور ہر فرد پر بھی حاوی ہے۔ وہ ایک غیر محدود دعا ہے جس کی کوئی حد بندی یا انتہاء نہیں اور نہ اس کی کوئی غایت یا کنارہ ہے۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو خدا کے عارف بندوں کی طرح اس دُعا پر مداومت اختیار کرتے ہیں زخمی دلوں کے ساتھ جن سے خون بہتا ہے اور ایسی رُوحوں کے ساتھ جو زخموں پر صبر کرنے والی ہوں اور نفوس مُطْمَئِنَّہ کے ساتھ۔

یہ وہ دُعا ہے جو ہر خیر، سلامتی، پختگی اور استقامت پر مشتمل ہے اور اس دُعا میں ربّ العالمین کی طرف سے بڑی بشارتیں ہیں۔ (ترجمہ از مرتب)

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ الرَّحْمٰن کے بالمقابل ہے کیونکہ ہدایت پانا کسی کا حق تو نہیں ہے بلکہ محض رحمانیتِ الٰہی سے یہ فیض حاصل ہوسکتا ہے اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ الرَّحِيْمِ کے بالمقابل ہے کیونکہ اس کا ورد کرنے والا رحیمیت کے چشمہ سے فیض حاصل کرتا ہے اور اس کے یہ معنے ہیں کہ اے رحم خاص سے دُعاؤں کے قبول کرنے والے ان رسولوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کی راہ ہم کو دکھا جنہوں نے دُعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع و اقسام کے معارف اور حقائق اور کشوف اور الہامات کا

انعام پایا اور دائمی دُعا اور تضرع اور اعمالِ صالحہ سے معرفتِ تامّہ کو پہنچے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۴ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

ساتویں صداقت جو سورہ فاتحہ میں درج ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ہم کو وہ راستہ دکھلا اور اُس راہ پر ہم کو ثابت اور قائم کر کہ جو سیدھا ہے جس میں کسی نوع کی کجی نہیں۔ اس صداقت کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی حقیقی دعا یہی ہے کہ وہ خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ طلب کرے کیونکہ ہر یک مطلوب کے حاصل کرنے کے لئے طبعی قاعدہ یہ ہے کہ ان وسائل کو حاصل کیا جائے جن کے ذریعہ سے وہ مطلب ملتا ہے اور خدا نے ہر یک امر کی تحصیل کے لئے یہی قانون قدرت ٹھہرا رکھا ہے کہ جو اس کے حصول کے وسائل ہیں وہ حاصل کئے جائیں اور جن راہوں پر چلنے سے وہ مطلب مل سکتا ہے وہ راہیں اختیار کی جائیں اور جب انسان صراطِ مستقیم پر ٹھیک ٹھیک قدم مارے اور جو حصول مطلب کی راہیں ہیں ان پر چلنا اختیار کرے تو پھر مطلب خود بخود حاصل ہو جاتا ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اُن راہوں کے چھوڑ دینے سے جو کسی مطلب کے حصول کے لئے بطور وسائل کے ہیں یونہی مطلب حاصل ہو جائے بلکہ قدیم سے یہی قانون قدرت بندھا ہوا چلا آتا ہے کہ ہر یک مقصد کے حصول کے لئے ایک مقرری طریقہ ہے جب تک انسان اس طریقہ مقررہ پر قدم نہیں مارتا تب تک وہ امر اس کو حاصل نہیں ہوتا۔ پس وہ شے جس کو محنت اور کوشش اور دُعا اور تضرع سے حاصل کرنا چاہئے صراطِ مستقیم ہے۔ جو شخص صراطِ مستقیم کی طلب میں کوشش نہیں کرتا اور نہ اس کی کچھ پرواہ رکھتا ہے وہ خدا کے نزدیک ایک کجرو آدمی ہے اور اگر وہ خدا سے بہشت اور عالمِ ثانی کی راحتوں کا طالب ہو تو حکمتِ الٰہی اسے یہی جواب دیتی ہے کہ اے نادان اوّل صراطِ مستقیم کو طلب کر پھر یہ سب کچھ تجھے آسانی سے مل جائے گا۔ سو سب دعاؤں سے مقدم دُعا جس کی طالبِ حق کو اشد ضرورت ہے طلبِ صراطِ مستقیم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ہمارے مخالفین اس صداقت پر قدم مارنے سے بھی محروم ہیں۔ عیسائی لوگ تو اپنی ہر دعا میں روٹی ہی مانگا کرتے ہیں۔ اور اگر کھا پی کر اور پیٹ بھر کر بھی گر جائیں آویں پھر بھی جھوٹ موٹ اپنے تئیں بھوکے ظاہر کر کے روٹی مانگتے رہتے ہیں گویا ان کا مطلوب اعظم روٹی ہی ہے وبس۔ آریہ سماج والے اور دوسرے ان کے بُت پرست بھائی اپنی دعاؤں میں جنم مرن سے بچنے کے لئے یعنی اواگون سے جو اُن کے زُعمِ باطل میں ٹھیک اور درست ہے طرح طرح کے اشلوک پڑھا کرتے ہیں اور صراطِ مستقیم کو خدا سے نہیں مانگتے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ نے تو اس جگہ جمع کا لفظ بیان کر کے اس بات کی

طرف اشارہ کیا ہے کہ کوئی انسان ہدایت طلب کرنے اور انعام الٰہی پانے سے ممنوع نہیں ہے مگر بموجب اصول آریا سماج کے ہدایت طلب کرنا گنہگار کے لئے ناجائز ہے اور خدا اس کو ضرور سزا دے گا اور ہدایت پانا نہ پانا اس کے لئے برابر ہے۔ برہمو سماج والوں کا دعاؤں پر کچھ ایسا اعتقاد ہی نہیں وہ ہر وقت اپنی عقل کے گھمنڈ میں رہتے ہیں اور نیز ان کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کسی خاص دعا کو بندگی اور عبادت کے لئے خاص کرنا ضروری نہیں۔ انسان کو اختیار ہے جو چاہے دعا مانگے مگر یہ ان کی سراسر نادانی ہے اور ظاہر ہے کہ اگرچہ جزوی حاجات صدہا انسان کو لگی ہوئی ہیں مگر حاجتِ اعظم جس کا دن رات اور ہر یک دم فکر کرنا چاہئے صرف ایک ہی ہے یعنی یہ کہ انسان ان طرح طرح کے حجب ظلمانیہ سے نجات پاکر معرفت کامل کے درجہ تک پہنچ جائے اور کسی طرح کی نابینائی اور کور باطنی اور بے مہری اور بے وفائی باقی نہ رہے بلکہ خدا کو کامل طور پر شناخت کر کے اور اس کی خالص محبت سے پُر ہو کر مرتبہ وصال الٰہی کا جس میں اس کی سعادتِ تامہ ہے پالیوے۔ یہی ایک دعا ہے جس کی انسان کو سخت حاجت ہے اور جس پر اس کی ساری سعادت موقوف ہے سو اس کے حصول کا سیدھا راستہ یہی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہے کیونکہ انسان کے لئے ہر یک مطلب کے پانے کا یہی ایک طریق ہے کہ جن راہوں پر چلنے سے وہ مطلب حاصل ہوتا ہے ان راہوں پر مضبوطی سے قدم مارے اور وہی راستہ اختیار کرے کہ جو سیدھا منزل مقصود تک پہنچتا ہے اور بے راہیوں کو چھوڑ دے اور یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ ہر شے کے حصول کے لئے خدا نے اپنے قانونِ قدرت میں صرف ایک ہی راستہ ایسا رکھا ہے جس کو سیدھا کہنا چاہئے اور جب تک ٹھیک ٹھیک وہی راستہ اختیار نہ کیا جائے ممکن نہیں کہ وہ چیز حاصل ہو سکے جس طرح خدا کے تمام قواعد قدیم سے مقرر اور منضبط ہیں ایسا ہی نجات اور سعادتِ اُخروی کی تحصیل کے لئے ایک خاص طریق مقرر ہے جو مستقیم اور سیدھا ہے۔ سو دعا میں وضع استقامت یہی ہے کہ اسی طریق مستقیم کو خدا سے مانگا جائے۔ (براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۳۲ تا ۵۳۵ حاشیہ نمبر ۱۱)

حقیقی نیکی پر قدم مارنا صراط مستقیم ہے اور اسی کا نام توسط اور اعتدال ہے کیونکہ توحید فعلی جو مقصود بالذات ہے وہ اسی سے حاصل ہوتی ہے اور جو شخص اس نیکی کے حاصل کرنے میں متساہل رہے وہ درجہ تفریط میں ہے اور جو شخص اس سے آگے بڑھے وہ افراط میں پڑتا ہے ہر جگہ رحم کرنا افراط ہے کیونکہ محل کے ساتھ بے محل کا پیوند کر دینا اصل پر زیادتی ہے اور یہی افراط ہے اور کسی جگہ بھی رحم نہ کرنا یہ تفریط ہے کیونکہ اس میں محل بھی فوت کر دیا اور یہی تفریط ہے وضع شی کا اپنے محل پر کرنا یہ توسط اور اعتدال ہے کہ جو صراطِ مستقیم سے موسوم ہے

قرآن شریف نے جیسا کہ جسمانی تمدن کے لئے یہ تاکید فرمائی ہے کہ ایک بادشاہ کے زیر حکم ہو کر چلیں یہی تاکید روحانی تمدن کے لئے بھی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ یہ دُعا سکھلاتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ پس سوچنا چاہئے کہ یوں تو کوئی مومن بلکہ کوئی انسان بلکہ کوئی حیوان بھی خدا تعالیٰ کی نعمت سے خالی نہیں مگر نہیں کہہ سکتے کہ ان کی پیروی کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے۔ لہٰذا اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ جن لوگوں پر اکمل اور اتم طور پر نعمت روحانی کی بارش ہوئی ہے ان کی راہوں کی ہمیں توفیق بخش کہ تا ہم ان کی پیروی کریں۔ سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ تم امام الزّمان کے ساتھ ہو جاؤ۔

یاد رہے کہ امام الزّمان کے لفظ میں نبی، رسول، محدّث، مجدّد سب داخل ہیں۔ مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور نہیں ہوئے اور نہ وہ کمالات ان کو دیئے گئے۔ وہ کو ولی ہوں یا ابدال ہوں امام الزّمان نہیں کہلا سکتے۔ (ضرورۃ الامام، روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۴۹۴، ۴۹۵)

بعض کہتے ہیں کہ انبیاء اس دُعا کو کیوں مانگتے ہیں؟ ان کو معلوم نہیں وہ ترقیات کے لئے مانگتے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے اس کے فیضان و فضل بھی غیر منقطع ہیں اس لئے وہ ان غیر محدود فضلوں کے حاصل کرنے کے لئے اس دُعا کو مانگتے تھے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲)

قرآن کریم اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مُرشد کے ساتھ مرید کا تعلق ایسا ہونا چاہئے جیسا عورت کا تعلق مرد سے ہو۔ مُرشد کے کسی حکم کا انکار نہ کرے اور اس کی دلیل نہ پوچھے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فرمایا ہے کہ مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کی راہ کے مقیّد رہیں۔ انسان چونکہ طبعاً آزادی کو چاہتا ہے پس حکم کر دیا کہ اس راہ کو اختیار کرے۔
(الحکم جلد ۴ نمبر ۴۶ مورخہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۲، ۳)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے پایا جاتا ہے کہ جب انسانی کوششیں تھک کر رہ جاتی ہیں تو آخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۶ مورخہ ۱۷ر فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

سورہ فاتحہ سے ایک عزّت کا خطاب مجھے عنایت ہوا۔ وہ کیا ہے؟ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔
(الحکم جلد ۵ نمبر ۷ مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲)

انسان کی بڑی سے بڑی خواہش دنیا میں یہی ہے کہ اس کو سکھ اور آرام ملے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی راہ مقرر کی ہے جو تقویٰ کی راہ کہلاتی اور دوسرے لفظوں میں اس کو قرآن کریم کی راہ کہتے ہیں اور یا اس کا نام صراطِ مستقیم رکھتے ہیں۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۱ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۳)

نماز کا مغز اور رُوح بھی دُعا ہی ہے جو سورۂ فاتحہ میں ہمیں تعلیم دی گئی ہے جب ہم اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہتے ہیں تو اس دُعا کے ذریعہ سے اس نور کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے اُترتا اور دلوں کو یقین اور محبت سے منور کرتا ہے۔ (الوصیت، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۱)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں منعم علیہ گروہ میں سے شہیدوں کا گروہ بھی ہے اور اس سے یہی مراد ہے کہ استقامت عطا ہو۔ جو جان تک دیدینے میں بھی قدم کو ہلنے نہ دے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۵ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ میں تکمیل علمی کی طرف اشارہ ہے اور تکمیل عملی کا بیان صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں فرمایا کہ جو نتائج اکمل اور اتم ہیں وہ حاصل ہو جائیں۔ جیسے ایک پودا جو لگایا گیا ہے جب تک پورا نشوونما حاصل نہ کرے اُس کو پھول پھل نہیں لگ سکتے اسی طرح اگر کسی ہدایت کے اعلیٰ اور اکمل نتائج موجود نہیں ہیں وہ ہدایت مُردہ ہدایت ہے جس کے اندر کوئی نشوونما کی قوت اور طاقت نہیں ہے.....اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہہ کر ایک قید لگا دی ہے یعنی یہ راہ کوئی بے ثمر اور حیران اور سرگردان کرنے والی راہ نہیں ہے بلکہ اس پر چل کر انسان بامراد اور کامیاب ہوتا ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۱ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

خدا تعالیٰ کے راست بازوں اور منعم علیہ کی راہ ہی وہ اصل مقصود ہے جو انسان کے لئے خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۴۵ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

جو شخص بیعت میں داخل ہوتا ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مقاصد کو مدِّ نظر رکھے جو بیعت سے ہیں یہ امور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاوے اصل منشا اور مدّعا سے دور ہیں..... خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے اور اُس کی کچھ بھی قدر اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں جس نے گو سارے انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی ہو مگر وہ سچا اخلاص وفاداری اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان، خشیت اللہ اور تقویٰ اُس کے دل میں نہ ہو۔ پس یاد رکھو کہ نری زیارتوں سے کچھ نہیں ہوتا خدا تعالیٰ نے

جو پہلی دُعا سکھلائی ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہے اگر خدا تعالیٰ کا اصل مقصود زیارت ہوتا تو وہ اِھْدِنَا کی جگہ اَرِنَا صُوَرَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دُعا تعلیم فرماتا۔ جو نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں دیکھ لو کہ آپ نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ مجھے ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہو جاوے۔ گو آپ کو معراج میں سب کی زیارت بھی ہوگئی۔ پس یہ امر مقصود بالذات ہرگز نہیں ہونا چاہئے اصل مقصد تو پیروی اتباع ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۷ راگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۷، ۸)

اپنا مدعا اور مقصود ہمیشہ یہ ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق تزکیہ نفس حاصل ہو اور اس کی مرضی کے موافق تقویٰ حاصل ہو اور کچھ ایسے اعمالِ حسنہ میسّر آ جاویں کہ وہ راضی ہو جائے۔ پس جس وقت وہ راضی ہوگا تب اُس وقت ایسے شخص کو اپنے مکالمات سے مشرف کرنا اگر اس کی حکمت اور مصلحت تقاضا کرے گی تو وہ خود عطا کر دے گا اصل مقصود اس کو ہرگز نہیں ٹھہرانا چاہئے کہ یہی ہلاکت کی جڑ ہے بلکہ اصل مقصود یہی ہونا چاہئے کہ قرآن شریف کی تعلیم کے موافق احکامِ الٰہی پر پابندی نصیب ہو اور تزکیہ نفس حاصل ہو اور خدا تعالیٰ کی محبت اور عظمت دل میں بیٹھ جائے اور گناہ سے نفرت ہو خدا تعالیٰ نے بھی یہی دُعا سکھائی ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ پس اس جگہ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ تم یہ دُعا کرو کہ ہمیں الہام ہو۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم یہ دُعا کرو کہ راہِ راست ہمیں نصیب ہو۔ ان لوگوں کے راہ جو آخر کار خدا تعالیٰ کے انعام سے مشرّف ہو گئے۔ بندہ کو اس سے کیا مطلب ہے کہ وہ الہام کا خواہش مند ہو اور نہ بندہ کی اس میں کچھ فضیلت ہے۔ بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے نہ بندہ کا عمل صالح تا اس پر اجر کی توقع ہو۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۲ مورخہ ۲۴ رنومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۷)

نماز کا (جو مومن کی معراج ہے) مقصود یہی ہے کہ اس میں دُعا کی جاوے اور اسی لئے اُمّ الادعیہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ دُعا مانگی جاتی ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ مورخہ ۲۴ راکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۱)

ہونا چاہئے اور شئے ہے اور ہے اور شئے ہے۔ اس ہے کا علم سوائے دُعا کے نہیں حاصل ہوتا۔ عقل سے کام لینے والے ہے کے علم کو نہیں پا سکتے اس لئے ہے خدا را بجذاتواں شناخت۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام: ۱۰۴) کے یہی معنی ہیں کہ وہ صرف عقلوں کے ذریعہ سے شناخت نہیں کیا جا سکتا بلکہ خود جو ذریعے (اس نے) بتلائے ہیں ان سے ہی اپنے وجود کو شناخت کرواتا ہے اور اس امر کے لئے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ جیسی اور کوئی دُعا نہیں ہے۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۱۰ مورخہ ۸ رمارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۷)

آٹھویں اور نویں اور دسویں صداقت جو سورۃ فاتحہ میں درج ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم کو ان سالکین کا راستہ بتلا جنہوں نے ایسی راہیں اختیار کیں کہ جن سے اُن پر تیرا انعام وارد ہوا اور ان لوگوں کی راہوں سے بچا جنہوں نے لاپرواہی سے سیدھی راہ پر قدم مارنے کے لئے کوشش نہ کی اور اس باعث سے تیری تائید سے محروم رہ کر گمراہ رہے۔ یہ تین صداقتیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ بنی آدم اپنے اقوال اور افعال اور اعمال اور نیات کے رو سے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض سچے دل سے خدا کے طالب ہوتے ہیں اور صدق اور عاجزی سے خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس خدا بھی ان کا طالب ہو جاتا ہے اور رحمت اور انعام کے ساتھ ان پر رجوع کرتا ہے۔ اس حالت کا نام انعام الٰہی ہے۔ اسی کی طرف آیت ممدوحہ میں اشارہ فرمایا اور کہا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی وہ لوگ ایسا صفا اور سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں جس سے فیضانِ رحمتِ الٰہی کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں اور بباعث اس کے کہ ان میں اور خدا میں کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور بالکل رحمتِ الٰہی کے محاذی آ پڑتے ہیں۔ اس جہت سے انوار فیضانِ الٰہی کے ان پر وارد ہوتے ہیں۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں کہ جو دیدہ و دانستہ مخالفت کا طریق اختیار کر لیتے ہیں اور دشمنوں کی طرح خدا سے مونہہ پھیر لیتے ہیں سو خدا بھی ان سے منہ پھیر لیتا ہے اور رحمت کے ساتھ ان پر رجوع نہیں کرتا اس کا باعث یہی ہوتا ہے کہ وہ عداوت اور بیزاری اور غضب اور غیظ اور نارضامندی جو خدا کی نسبت ان کے دلوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے وہی ان میں اور خدا میں حجاب ہو جاتی ہے اس حالت کا نام غضبِ الٰہی ہے۔ اسی کی طرف خدائے تعالیٰ نے اشارہ فرما کر کہا۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ جو خدا سے لاپرواہ رہتے ہیں اور سعی اور کوشش سے اس کو طلب نہیں کرتے۔ خدا بھی اُن کے ساتھ لاپرواہی کرتا ہے اور ان کو اپنا راستہ نہیں دکھلاتا۔ کیونکہ وہ لوگ راستہ طلب کرنے میں آپ سُستی کرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں اس فیض کے لائق نہیں بناتے کہ جو خدا کے قانون قدیم میں محنت اور کوشش کرنے والوں کے لئے مقرر ہے۔ اس حالت کا نام اضلالِ الٰہی ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ خدا نے ان کو گمراہ کیا یعنی جبکہ انہوں نے ہدایت پانے کے طریقوں کو بجد و جہد طلب نہ کیا تو خدا نے بہ پابندی اپنے قانون قدیم کے ان کو ہدایت بھی نہ دی اور اپنی تائید سے محروم رکھا۔ اسی کی طرف

اشارہ فرمایا اور کہا وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔غرض ماحصل اور خلاصہ ان تینوں صداقتوں کا یہ ہے کہ جیسے انسان کی خدا کے ساتھ تین حالتیں ہیں ایسا ہی خدا بھی ہر یک حالت کے موافق ان کے ساتھ جُدا جُدا معاملہ کرتا ہے۔ جو لوگ اُس پر راضی ہوتے ہیں اور دلی محبت اور صدق سے اس کے خواہاں ہوجاتے ہیں خدا بھی ان پر راضی ہوجاتا ہے اور اپنی رضامندی کے انوار ان پر نازل کرتا ہے۔اور جو لوگ اُس سے مونہہ پھیر لیتے ہیں اور عمداً مخالفت اختیار کرتے ہیں۔خدا بھی مخالف کی طرح ان سے معاملہ کرتا ہے اور جو لوگ اس کی طلب میں سُستی اور لاپروائی کرتے ہیں خدا بھی ان سے لاپروائی کرتا ہے اور ان کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے غرض جس طرح آئینہ میں انسان کو وہی شکل نظر آتی ہے کہ جو حقیقت میں شکل رکھتا ہے اسی طرح حضرتِ احدیّت کہ جو ہر یک کدورت سے مصفّٰی اور پاک ہے محبت والوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے غضب والوں پر غضب ناک ہے، لاپرواہوں کے ساتھ لاپرواہی، رُکنے والوں سے رک جاتا ہے اور جھکنے والوں کی طرف جھکتا ہے۔ چاہنے والوں کو چاہتا ہے اور نفرت کرنے والوں سے نفرت کرتا ہے اور جس طرح آئینہ کے سامنے جو انداز اپنا بناؤ گے وہی انداز آئینہ میں بھی نظر آئے گا۔ایسا ہی خداوند تعالیٰ کے روبرو جس انداز سے کوئی چلتا ہے وہی انداز خدا کی طرف سے اس کے لئے موجود ہے۔اور جن لباسوں کو بندہ اپنے لئے آپ اختیار کرلیتا ہے وہی تخم بویا ہوا اس کا اس کو دیا جاتا ہے۔ جب انسان ہر یک طرح کے حجابوں اور کدورتوں اور آلائشوں سے اپنے دل کو پاک کرلیتا ہے اور صحن سینہ اس کے کا مواد ردّیہ ماسوائے اللہ سے بالکل خالی ہوجاتا ہے۔تو اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کوئی اپنے مکان کا دروازہ جو آفتاب کی طرف ہے کھول دیتا ہے اور سورج کی کرنیں اس کے گھر کے اندر چلی آتی ہیں۔لیکن جب بندہ ناراستی اور دروغ اور طرح طرح کی آلائشوں کو آپ اختیار کرلیتا ہے اور خدا کو حقیر چیز کی طرح خیال کر کے چھوڑ دیتا ہے تو اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کوئی روشنی کو ناپسند کر کے اور اس سے بغض رکھ کر اپنے گھر کے تمام دروازے بند کردے تا ایسا نہ ہو کہ کسی طرف سے آفتاب کی شعاعیں اس کے گھر کے اندر آجائیں۔

اور جب انسان باعث جذباتِ نفسانی یا ننگ و ناموس یا تقلید قوم وغیرہ طرح طرح کی غلطیوں اور آلائشوں میں گرفتار ہو اور سُستی اور تکاسل اور لاپروائی سے ان آلائشوں سے پاک ہونے کے لئے کچھ سعی اور کوشش نہ کرے تو اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کوئی اپنے گھر کے دروازوں کو بند پاوے اور تمام گھر میں اندھیرا بھرا ہوا دیکھے اور پھر اُٹھ کر دروازوں کو نہ کھولے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے اور دل میں یہ کہے کہ

اب اس وقت کون اُٹھے اور کون اتنی تکلیف اٹھاوے۔ یہ تینوں مثالیں ان تینوں حالتوں کی ہیں جو انسان کے اپنے ہی فعل یا اپنی ہی سُستی سے پیدا ہو جاتی ہیں جن میں سے پہلی حالت کا نام حسب تصریح گذشتہ کے انعام الٰہی اور دوسری حالت کا نام غضب الٰہی اور تیسری حالت کا نام اِضلال الٰہی ہے ان تینوں صداقتوں سے بھی ہمارے مخالفین بے خبر ہیں۔ کیونکہ برہموسماج والوں کو اُس صداقت سے بالکل اطلاع نہیں ہے جس کے رو سے خدائے تعالیٰ سرکش اور غضب ناک بندوں کے ساتھ غضبناک کا معاملہ کرتا ہے۔ چنانچہ برہموصاحبوں میں سے ایک صاحب نے اس بارہ میں انہیں دنوں میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس میں صاحب موصوف خدا کی کتابوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان میں غضب کی صفت خدائے تعالیٰ کی طرف کیونکر منسوب کی گئی ہے کیا خدا ہماری کمزوریوں پر چڑتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر صاحب راقم کو اس صداقت کی کچھ بھی خبر ہوتی تو کیوں وہ ناحق اپنے اوقات ضائع کر کے ایک ایسا رسالہ چھپواتے جس سے ان کی کم فہمی ہر یک پر کھل گئی ہے اور اُن کو باوجود دعویٰ عقل کے یہ بات سمجھ نہ آئی کہ خدا کا غضب بندہ کی حالت کا ایک عکس ہے جب انسان کسی مخالفانہ شر سے محجوب ہو جائے اور خدا سے دوسری طرف مونہہ پھیر لے تو کیا وہ اس لائق رہ سکتا ہے کہ جو سچے محبوں اور صادقوں پر فیضانِ رحمت ہوتا ہے اس پر بھی وہی فیضان ہو جائے؟ ہرگز نہیں بلکہ خدا کا قانونِ قدیم جو ابتدا سے چلا آیا ہے جس کو ہمیشہ راست باز اور صادق آدمی تجربہ کرتے رہے ہیں اور اب بھی صحیح تجارب سے اس کی سچائیوں کو مشاہدہ کرتے ہیں وہ یہی قانون ہے کہ جو شخص ظلماتی حجابوں سے نکل کر سیدھا خدائے تعالیٰ کی طرف اپنے روح کا مونہہ پھیر کر اس کے آستانہ پر گر پڑتا ہے اسی پر فیضانِ رحمتِ خاصہ ایزدی کا ہوتا ہے اور جو شخص اس طریق کے برخلاف کوئی دوسرا طریق اختیار کر لیتا ہے تو بالضرور جو امر رحمت کے برخلاف ہے یعنی غضب الٰہی اُس پر وارد ہو جاتا ہے اور غضب کی اصل حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص اس طریق مستقیم کو چھوڑ دیتا ہے کہ جو قانونِ الٰہی میں افاضہ رحمتِ الٰہی کا طریق ہے تو فیضانِ رحمت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی محرومی کی حالت کا نام غضب الٰہی ہے اور چونکہ انسان کی زندگی اور آرام اور راحت خدا کے فیض سے ہی ہے۔ اِس جہت سے جو لوگ فیضانِ رحمت کے طریق کو چھوڑ دیتے ہیں وہ خدا کی طرف سے اسی جہان میں یا دوسرے جہان میں طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ جس کے شاملِ حال رحمتِ الٰہی نہیں ہے ضرور ہے کہ انواع اقسام کے عذاب روحانی و بدنی اس کی طرف مونہہ کریں اور چونکہ خدا کے قانون میں یہی انتظام مقرر ہے کہ رحمتِ خاصہ انہیں کے شاملِ حال ہوتی ہے کہ جو

رحمت کے طریق کو یعنی دُعا اور توحید کو اختیار کرتے ہیں۔ اس باعث سے جو لوگ اس طریق کو چھوڑ دیتے ہیں وہ طرح طرح کی آفات میں گرفتار ہو جاتے ہیں اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان:۷۸) فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آلِ عمران:۹۸) یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا خدا تمہاری پروا کیا رکھتا ہے اگر تم دُعا نہ کرو اور اس کے فیضان کے خواہاں نہ ہو خدا کو تو کسی کی زندگی اور وجود کی حاجت نہیں وہ تو بے نیاز مطلق ہے۔ اور آریہ سماج والے اور عیسائی بھی ان تینوں صداقتوں میں سے پہلی اور تیسری صداقت سے بے خبر ہیں۔ کوئی اُن میں سے یہ اعتراض کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ سب لوگوں کو کیوں ہدایت نہیں دیتا۔ اور کوئی یہ اعتراض کر رہا ہے کہ خدا میں صفتِ اضلال کیونکر پائی جاتی ہے۔ جو لوگ خدائے تعالیٰ کی ہدایت کی نسبت معترض ہیں وہ یہ نہیں سوچتے کہ ہدایتِ الٰہی اُنہیں کے شامل حال ہوتی ہے کہ جو ہدایت پانے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور اُن راہوں پر چلتے ہیں جن راہوں پر چلنا فیضانِ رحمت کے لئے ضروری ہے اور جو لوگ اضلالِ الٰہی کی نسبت معترض ہیں اُن کو یہ خیال نہیں آتا کہ خدائے تعالیٰ اپنے قواعد مقررہ کے ساتھ ہر یک انسان سے مناسب حال معاملہ کرتا ہے اور جو شخص سُستی اور تکاسل سے اس کے لئے کوشش کرنا چھوڑ دیتا ہے ایسے لوگوں کے بارہ میں قدیم سے اس کا یہی قاعدہ مقرر ہے کہ وہ اپنی تائید سے ان کو محروم رکھتا ہے اور انہیں کو اپنی راہیں دکھلاتا ہے جو ان راہوں کے لئے بدل و جان سعی کرتے ہیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکے کہ جو شخص نہایت لاپروائی سے سُستی کر رہا ہے وہ ایسا ہی خدا کے فیض سے مستفیض ہو جائے جیسے وہ شخص کہ جو تمام عقل اور تمام زور اور تمام اخلاص سے اس کو ڈھونڈتا ہے۔ اسی کی طرف ایک دوسرے مقام میں بھی اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۷۰) یعنی جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو بالضرور اپنی راہیں دکھلا دیا کرتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یہ دس صداقتیں جو سورۂ فاتحہ میں درج ہیں کس قدر عالی اور بے نظیر صداقتیں ہیں جن کے دریافت کرنے سے ہمارے تمام مخالفین قاصر رہے اور پھر دیکھنا چاہئے کہ کس ایجاز اور لطافت سے اقل قلیل عبارت میں ان کو خدائے تعالیٰ نے بھر دیا ہے اور پھر اس طرف خیال کرنا چاہئے کہ علاوہ ان سچائیوں کے اور اس کمال ایجاز کے دوسرے کیا کیا لطائف ہیں جو اس سورۂ مبارکہ میں بھرے ہوئے ہیں اگر ہم اس جگہ ان سب لطائف کو بیان کریں تو یہ مضمون ایک دفتر بن جائے گا۔ (براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۴۵ تا ۵۶۸ حاشیہ نمبر ۱۱)

کیونکہ تذلّل اور انکساری کی زندگی کوئی اختیار نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے۔

اپنے آپ کو ٹٹولو اور اگر بچہ کی طرح اپنے آپ کو کمزور پاؤ تو گھبراؤ نہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا صحابہ کی طرح جاری رکھو۔ راتوں کو اٹھو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی راہ دکھلائے۔

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۵۶)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ظلّی سلسلہ پیغمبروں کا اس اُمت میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ مگر جیسا کہ قرآن کریم میں سارے انبیاء کا ذکر نہیں اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کثرت سے ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اُمت میں بھی مثیل موسیٰؑ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مثیل عیسیٰ یعنی امام مہدی سب سے عظیم الشان اور خاص ذکر کے قابل ہیں۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۰ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۸)

سوال ہوا کہ جو لوگ آپ کو نہیں مانتے وہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے نیچے ہیں یا کہ نہیں؟

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں تو میں اپنی جماعت کو بھی شامل نہیں کر سکتا جب تک کہ خدا کسی کو نہ کرے۔ جو کلمہ کو سچے دل سے قرآن پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو بشرطیکہ سمجھایا جاوے وہ اپنا اجر پائے گا۔ جس قدر کوئی مانے گا اسی قدر ثواب پائے گا۔ جتنا انکار کرے گا اتنی ہی تکلیف اُٹھائے گا۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۰ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۸)

گناہ کی حالت میں انسان پستی اور ذلّت میں ہوتا ہے اور جوں جوں گناہ کرتا جاتا ہے نیچے ہی نیچے چلا جاتا ہے لیکن جب گناہوں پر موت آتی ہے تو وہ اس پستی کے گڑھے میں ہی پڑا ہوا ہوتا ہے جب تک اوپر چڑھنے کے لئے اسے زنجبیلی شربت نہ ملے۔ پس نیکیوں کی توفیق عطا ہونے پر وہ پھر اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے کہ اور یہ پہاڑی گھاٹیاں وہی ہیں جو صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں بیان ہوئی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے راست بازوں اور منعم علیہم کی راہ ہی وہ اصل مقصود ہے جو انسان کے لئے خدا تعالیٰ نے رکھی ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۵ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

سورۃ فاتحہ میں ایک مخفی پیشگوئی موجود ہے اور وہ یہ کہ جس طرح یہودی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو کافر اور دجّال کہہ کر مغضوب علیہم بن گئے بعض مسلمان بھی ایسے ہی بنیں گے۔ اسی لئے نیک لوگوں کو یہ دُعا سکھلائی گئی کہ وہ منعم علیہم میں سے حصہ لیں اور مغضوب علیہم نہ بنیں۔ سورۃ فاتحہ کا اعلیٰ مقصود مسیح موعود اور اس کی جماعت اور اسلامی یہودی اور اُن کی جماعت اور ضالّین یعنی عیسائیوں کے زمانہ ترقی کی خبر ہے۔ سو کس قدر خوشی کی بات

ہے کہ وہ باتیں آج پوری ہوئیں۔ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۱۴، ۴۱۵)

سورۃ فاتحہ میں خدا نے مسلمانوں کو یہ دُعا سکھلائی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ اس جگہ احادیث صحیحہ کے رُو سے بکمال تواتر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مُراد بدکار اور فاسق یہودی ہیں جنہوں نے حضرت مسیح کو کافر قرار دیا اور قتل کے درپے رہے اور اُس کی سخت توہین وتحقیر کی اور جن پر حضرت عیسیٰ نے لعنت بھیجی جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہے اور اَلضَّآلِّيْنَ سے مراد عیسائیوں کا وہ گمراہ فرقہ ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا سمجھ لیا اور تثلیث کے قائل ہوئے اور خون مسیح پر نجات کا حصر رکھا اور ان کو زندہ خدا کے عرش پر بٹھا دیا۔ اب اس دُعا کا مطلب یہ ہے کہ خدایا ایسا فضل کر کہ ہم نہ تو وہ یہودی بن جائیں جنہوں نے مسیح کو کافر قرار دیا تھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے تھے اور نہ ہم مسیح کو خدا قرار دیں اور تثلیث کے قائل ہوں۔ چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں اِسی اُمّت میں سے مسیح موعود آئے گا اور بعض یہودی صفت مسلمانوں میں سے اس کو کافر قرار دیں گے اور قتل کے درپے ہوں گے اور اس کی سخت توہین وتحقیر کریں گے اور نیز جانتا تھا کہ اس زمانہ میں تثلیث کا مذہب ترقی پر ہوگا اور بہت سے بدقسمت انسان عیسائی ہو جائیں گے اِس لئے اُس نے مسلمانوں کو یہ دُعا سکھلائی اور اس دُعا میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا جو لفظ ہے وہ بلند آواز سے کہہ رہا ہے کہ وہ لوگ جو اسلامی مسیح کی مخالفت کریں گے وہ بھی خدا تعالیٰ کی نظر میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہوں گے جیسا کہ اسرائیلی مسیح کے مخالف مغضوب علیہم تھے۔ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۱۹)

ہم نے تو اس زمانہ میں یہود دیکھ لئے اور ہم ایمان لائے کہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اسی بات کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ اس قوم میں بھی مغضوب علیہم یہودی ضرور پیدا ہوں گے سو ہو گئے اور پیشگوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری ہوگئی مگر کیا یہ اُمت کچھ ایسی ہی بدقسمت ہے کہ ان کی تقدیر میں یہود بننا ہی لکھا تھا اس فعل کو ہم خدائے کریم کی طرف کبھی منسوب نہیں کر سکتے کہ یہود مردود بننے کے لئے تو یہ اُمت اور مسیح بنی اسرائیل سے آوے ایسی کارروائی سے تو اس اُمت کی ناک کٹتی ہے اور اس خطاب کے لائق نہیں رہتی کہ اس کو اُمت مرحومہ کہا جاوے پس اس اُمت کا یہود بننا جیسا کہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے سمجھا جاتا ہے اس بات کو چاہتا ہے کہ جو یہود مغضوب علیہم کے مقابل مسیح آیا تھا اس کا مثیل بھی

اس اُمت میں سے آوے اسی کی طرف تو اس آیت کا اشارہ ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰)

خدا فرماتا ہے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ یعنی اے مسلمانوں تم خدا سے دُعا مانگتے رہو کہ یاالٰہی ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنانا جن پر اس دنیا میں ہی تیرا غضب نازل ہوا ہے۔ اور نہ ہی ان لوگوں کا راستہ دکھانا جو کہ راہِ راست سے گمراہ ہو گئے ہیں۔

اور یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ بطور قصہ یا کتھا کے بیان نہیں کیا۔ بلکہ وہ جانتا تھا کہ جس طرح پہلی قوموں نے بدکاریاں کیں اور نبیوں کی تکذیب اور تفسیق میں حد سے بڑھ گئیں۔ اسی طرح مسلمانوں پر بھی ایک وقت آئے گا جب کہ وہ فسق و فجور میں حد سے بڑھ جاویں گے اور جن کاموں سے اُن قوموں پر خدا کا غضب بھڑکا تھا۔ ویسے ہی کام مسلمان بھی کریں گے اور خدا کا غضب ان پر نازل ہوگا۔

تفسیروں اور احادیث والوں نے مغضوب سے یہود مراد لئے ہیں۔ کیونکہ یہود نے خدا تعالیٰ کے انبیاء کے ساتھ بہت ہنسی ٹھٹھا کیا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاص طور پر دکھ دیا تھا۔ اور نہایت درجہ کی شوخیاں اور بے باکیاں انہوں نے دکھائی تھیں۔ جن کا آخری نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اسی دنیا میں ہی خدا کا غضب ان پر نازل ہوا تھا۔ مگر اس جگہ خدا کے غضب سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ (معاذ اللہ) خدا چڑ جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان بسبب اپنے گناہوں کے نہایت درجہ کے پاک اور قدوس خدا سے دور ہو جاتا ہے یا مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ ایک شخص کسی ایسے حجرہ میں بیٹھا ہوا ہو جس کے چار دروازے ہوں۔ اگر وہ ان دروازوں کو کھولے گا تو دھوپ اور آفتاب کی روشنی اندر آتی رہے گی اور اگر وہ سب دروازے بند کر دے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روشنی کا آنا بند ہو جائے گا غرض یہ بات سچی ہے کہ جب انسان کوئی فعل کرتا ہے تو سنّت اللہ اسی طرح سے ہے کہ اس فعل پر ایک فعل خدا کی طرف سے سرزد ہوتا ہے جیسے اس شخص نے اپنی بدقسمتی سے جب چاروں دروازے بند کر دیئے تھے تو اس پر خدا کا فعل یہ تھا کہ اس مکان میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو گیا۔ غرض اس اندھیرا کرنے کا نام خدا کا غضب ہے۔ یہ مت سمجھو کہ خدا کا غضب بھی اسی طرح کا ہوتا ہے کہ جس طرح سے انسان کا غضب ہوتا ہے کیونکہ خدا خدا ہے اور انسان انسان ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ جس طرح سے ایک انسان کام کرتا ہے خدا بھی اسی طرح سے ہی کرتا ہے۔ مثلاً خدا سنتا ہے تو کیا اس کو سننے کے لئے انسان کی طرح ہوا کی ضرورت ہے اور کیا اس کا سننا بھی انسان کی طرح سے ہے کہ جس طرف ہوا کا رُخ

زیادہ ہوا اس طرف کی آواز کو زیادہ سن لیا۔ یا مثلاً دیکھتا ہے کہ جب تک سورج چاند چراغ وغیرہ کی روشنی نہ ہو انسان دیکھ نہیں سکتا۔ تو کیا خدا بھی روشنیوں کا محتاج ہے؟ غرض انسان کا دیکھنا اور رنگ کا ہے اور خدا کا اور رنگ کا ہے۔ اس کی حقیقت خدا کے سپرد کرنی چاہئے۔ آریہ وغیرہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کو غضب ناک کہا گیا ہے۔ یہ ان کی صریح غلطی ہے۔ ان کو چاہئے تھا کہ قرآن مجید کی دوسری جگہوں پر نظر کرتے۔ وہاں تو صاف طور پر لکھا ہے عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف: ۱۵۷)۔ خدا کی رحمت تو کل چیزوں کے شامل حال ہے۔ مگر ان کو دقت ہے تو یہ ہے کہ خدا کی رحمت کے تو وہ قائل ہی نہیں۔ ان کے مذہبی اصول کے بموجب اگر کوئی شخص بصد مشکل مکتی حاصل کر بھی لے تو آخر پھر وہاں سے بھی نکلنا ہی پڑے گا۔ غرض خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے کلام پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جیسے خدا ہر ایک عیب سے پاک ہے ویسے ہی اس کا کلام بھی ہر ایک قسم کی غلطی سے پاک ہوتا ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ تو اس سے یہ مراد ہے کہ یہود ایک قوم تھی جو توریت کو مانتی تھی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت تکذیب کی تھی اور بڑی شوخی کے ساتھ ان سے پیش آئے تھے۔ یہاں تک کہ کئی بار ان کے قتل کا ارادہ بھی انہوں نے کیا تھا۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی فن کو کمال تک پہنچا دیتا ہے تو پھر وہ بڑا نامی گرامی اور مشہور ہو جاتا ہے اور جب کبھی اس فن کا ذکر شروع ہوتا ہے تو پھر اسی کا نام ہی لیا جاتا ہے۔ مثلاً دنیا میں ہزاروں پہلوان ہوئے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں مگر رستم کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کسی کو پہلوانی کا خطاب بھی دیا جاتا ہے تو اسے بھی رستم ہند وغیرہ کر کے پکارا جاتا ہے یہی حال یہود کا ہے کوئی نبی نہیں گذرا جس سے انہوں نے شوخی نہیں کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو انہوں نے یہاں تک مخالفت کی کہ صلیب پر چڑھانے سے بھی دریغ نہیں کیا اور ان کے مقابلہ پر ہر ایک شرارت سے کام لیا۔ ہاں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ یہود نے تو انبیاء کے مقابل پر شوخیاں اور شرارتیں کی تھیں مگر اب تو سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ والی دعا کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں مسیح نازل ہوگا۔ اور مسلمان لوگ اس کی تکذیب کر کے یہود خصلت ہو جائیں گے اور طرح طرح کی بدکاریوں اور قسم قسم کی شوخیوں اور شرارتوں میں ترقی کر جاویں گے اس لئے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ والی دعا سکھائی ہے کہ اے مسلمانوں پنجگانہ نمازوں کی ہر ایک رکعت میں دعا مانگتے رہو کہ یا الٰہی ہمیں ان کی راہ سے بچائے رکھیو۔ جن پر تیرا غضب اسی دنیا میں نازل ہوا

تھا۔اور جن کو تیرے مسیحؑ کی مخالفت کرنے کے سبب سے طرح طرح کی آفات ارضی وسماوی کا ذائقہ چکھنا پڑا تھا سو جاننا چاہئے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کی طرف آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اشارہ کرتی ہے۔اور وہی خدا کا سچا مسیح ہے جو اس وقت تمہارے درمیان بول رہا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ پچیس برس سے صبر کرتا رہا ہے۔ان لوگوں نے کوئی دقیقہ میری مخالفت کا اٹھا نہیں رکھا ہر طرح سے شوخیاں کی گئیں طرح طرح کے الزام ہم پر لگائے گئے اور ان شوخیوں اور شرارتوں میں پوری سرگرمی سے کام لیا گیا۔ ہر پہلو سے میرے فنا اور معدوم کرنے کے لئے زور لگائے گئے اور ہمارے لئے طرح طرح کے کفرنامے تیار کئے گئے اور نصاریٰ اور یہود سے بھی بدتر ہمیں سمجھا گیا۔ حالانکہ ہم کلمہ طیبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ پر دل وجان سے یقین رکھتے تھے۔قرآن شریف کو خدا تعالیٰ کی سچی اور کامل کتاب سمجھتے تھے اور سچے دل سے اسے خاتم الکتب جانتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے خاتم النبیین سمجھتے تھے۔وہی نمازیں تھیں وہی قبلہ تھا۔اسی طرح سے ماہ رمضان کے روزے رکھتے تھے۔حج اور زکوٰۃ میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ کون سے وجوہات تھے جن کے سبب سے ہمیں یہود اور نصاریٰ سے بھی بدتر ٹھہرایا گیا اور دن رات ہمیں گالیاں دینا موجب ثواب سمجھا گیا۔آخر شرافت بھی تو کوئی چیز ہے اس طرح کا طریق تو وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کے ایمان مسلوب اور دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔غرض چونکہ خدا جانتا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب کہ مسلمان یہود سیرت ہو جائیں گے۔اس لئے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ والی دُعا سکھادی۔اور پھر فرمایا وَلَا الضَّآلِّيْنَ یعنی نہ ہی ان لوگوں کی راہ پر چلانا۔جنہوں نے تیری سچی اور سیدھی راہ سے منہ موڑ لیا۔اور یہ عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انجیل کے ذریعہ سے یہ تعلیم ملی تھی۔کہ خدا کو ایک اور واحد لاشریک مانو۔مگر انہوں نے اس تعلیم کو چھوڑ دیا اور ایک عورت کے بیٹے کو خدا بنالیا۔کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ تو بڑا سخت لفظ ہے اور ضَآلِّيْنَ نرم لفظ ہے۔یہ نرم لفظ نہیں۔بات یہ ہے کہ یہودیوں کا تھوڑا گناہ تھا وہ توریت کے پابند تھے اور اس کے حکموں پر چلتے تھے۔گو وہ شوخیوں اور شرارتوں میں بہت بڑھ گئے تھے مگر وہ کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے کے سخت دشمن تھے اور سورہ فاتحہ میں ان کا نام جو پہلے آیا ہے تو وہ اس واسطے نہیں کہ ان کے گناہ زیادہ تھے بلکہ اس واسطے کہ اسی دنیا میں ہی ان کو سزا دی گئی تھی اور اس کی مثال اس طرح پر ہے کہ ایک تحصیلدار انہیں کو جرمانہ کرتا ہے جن کا قصور اس کے اختیار سے باہر نہیں ہوتا۔مثلاً فرض کرو کہ کسی بھاری سے بھاری گناہ پر وہ اپنی طرف سے ۵۰، ۶۰ روپیہ جرمانہ کرسکتا

ہے لیکن اگر قصور وار زیادہ کا حقدار ہو تو پھر تحصیلدار یہ کہہ کر کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے اور کہ تمہاری سزا کا یہاں موقع نہیں کسی اعلیٰ افسر کے سپرد کرتا ہے اسی طرح یہودیوں کی شرارتیں اور شوخیاں اسی حد تک ہیں کہ ان کی سزا اسی دنیا میں دی جا سکتی تھی۔ لیکن ضالّین کی سزا یہ دنیا برداشت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ایسا نفرتی عقیدہ ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم:۹۱،۹۲) یعنی یہ ایک ایسا بُرا کام ہے جس سے قریب ہے کہ زمین آسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ غرض یہودیوں کی چونکہ سزا تھوڑی تھی اس لئے ان کو اسی جہان میں دی گئی اور عیسائیوں کی سزا اس قدر سخت ہے کہ یہ جہان اس کی برداشت نہیں کر سکتا اس لئے ان کی سزا کے واسطے دوسرا جہان مقرر ہے۔ اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ یہ عیسائی صرف ضالّ ہی نہیں ہیں بلکہ مُضِلّ بھی ہیں۔ ان کا دن رات یہی پیشہ ہے کہ اوروں کو گمراہ کرتے پھریں۔ پچاس پچاس ہزار ساٹھ ساٹھ ہزار بلکہ لاکھوں پرچے ہر روز شائع کرتے ہیں اور اس باطل عقیدہ کی اشاعت کے لئے ہر طرح کے بہانے عمل میں لاتے ہیں۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۸ صفحہ ۳، ۴)

ایک شخص نے سوال کیا۔ بعض مخالف کہتے ہیں کہ ہم بھی تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہتے ہیں ہم کو یہودی اور مغضوب کیوں کہا جاتا ہے؟ فرمایا کہ یہودی بھی تو ہدایت اب تک طلب کر رہے ہیں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ مانگ رہے ہیں اور توریت پڑھتے ہیں مگر گمراہ کیوں ہیں؟

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ صفحہ ۹)

عرب صاحب نے سوال کیا کہ مسیح موعود کے متعلق قرآن میں کہاں کہاں ذکر ہے۔ فرمایا۔ سورۃ فاتحہ، سورہ نور، سورہ تحریم۔ سورہ فاتحہ میں تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ سورہ نور میں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (النور:۵۶) اور سورہ تحریم میں جہاں مومنوں کی مثالیں بیان کی ہیں وہاں مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (التحریم:۱۳)۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ صفحہ ۱۰)

نماز کوئی ایسی ویسی شے نہیں ہے بلکہ یہ وہ شے ہے جس میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ الخ جیسی دُعا کی جاتی ہے۔ اس دُعا میں بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں ان پر دنیا میں خدا تعالیٰ کا غضب آتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ صفحہ ۱۰۹)

اگر نبوت کا دروازہ بالکل بند سمجھا جاوے تو نعوذ باللہ اس سے تو انقطاع فیض لازم آتا ہے اور اس میں تو نحوست

ہے اور نبی کی ہتک شان ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ جو کہا کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ (آل عمران:۱۱۱) یہ جھوٹ تھا نعوذ باللہ۔ اگر یہ معنے کئے جاویں کہ آئندہ کے واسطے نبوت کا دروازہ ہر طرح سے بند ہے تو پھر خیر الامۃ کی بجائے شر الامم ہوئی یہ اُمّت جبکہ اس کو اللہ تعالیٰ سے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی نصیب نہ ہوا۔ تو یہ تو کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ہوئی اور بہائم سیرت اسے کہنا چاہئے نہ یہ کہ خیر الامم۔ اور پھر سورۃ فاتحہ کی دعا بھی لغو جاتی ہے۔ اس میں جو لکھا ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ تو سمجھنا چاہئے کہ ان پہلوؤں کے پلاؤ زردے مانگنے کی دعا سکھائی ہے اور ان کی جسمانی لذات اور انعامات کے مورث ہونے کی خواہش کی گئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور اگر یہی معنے ہیں تو باقی رہ ہی کیا گیا جس سے اسلام کا علوّ ثابت ہووے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ مورخہ ۱۷/اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۸)

یہ وجودی سخت قابلِ نفرت اور قابلِ کراہت ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ جس قدر گدیاں ہیں ان میں سے شاید ایک بھی ایسی نہیں ہوگی جو یہ مذہب نہ رکھتی ہو۔ سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرقہ جو قادری کہلاتا ہے وہ بھی وجودی ہو گئے ہیں حالانکہ سید عبدالقادر جیلانیؒ وجودی نہ تھے۔ ان کا طرزِ عمل اور ان کی تصنیفات اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی عملی تصدیق دکھاتی ہیں۔

علماء صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صرف پڑھنے کے لیے ہے لیکن اس کے اثرات اور نتائج کچھ نہیں مگر وہ عملی طور پر دکھاتے ہیں کہ ان منعم علیہ لوگوں کے نمونے اس اُمّت میں ہوتے ہیں۔

غرض یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ گو ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ہیں ضرور جو خدا تعالیٰ سے کامل محبت کرتے ہیں اور اسی دنیا میں رہ کر انقطاع اور سفرِ آخرت کی تیاری کرتے ہیں۔ یہ امور ایسے ہی لوگوں کے حصہ میں آئے ہیں۔ جیسے سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ مورخہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۸)

اگر وحی نہ ہو تو پھر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے کیا معنے ہوں گے۔ کیا یہاں انعام سے مراد گوشت پلاؤ وغیرہ ہے یا کہ خلعتِ نبوت اور مکالمہ الٰہی وغیرہ جو کہ انبیاء کو عطا ہوتا رہا ہے۔ غرض کہ معرفت تامّ انبیاء کو سوائے وحی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس غرض کے لئے انسان اسلام قبول کرتا ہے اس کا مغز یہی ہے کہ اس کے اتباع سے وحی ملے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۳ مورخہ ۴/دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۵۸)